مشور

مدیر
سبط اختر

اکتوبر ۸۶ء

قیمت: ۲۵ پیسے

پاک چین دوستی زندہ باد

پانچویں (۵) سالگرہ کے موقع پر

ایک شاندار ..... ضخیم اور منفرد

پنجسالہ نمبر (۵)

پیش کر رہا ہے

قلم کار حضرات کی اور غیر مطبوعہ تخلیقات جلد از جلد ارسال فرمائیں

منشور

حیات و کائنات کا ترجمان

اکتوبر ۱۹۶۸ء

قیمت فی کاپی ۲۵ پیسے
مغربی پاکستان میں
سالانہ ۳ روپے

مشرقی پاکستان میں
فی کاپی ۳۵ پیسے
سالانہ چار روپے
(ہوائی جہاز سے)

مدیر

سبط اختر

جلد ۵
شمارہ ۱۰

اداریہ

چین ـ ہمارا دوست ——— ۵
اے وطن ——— ذکی عباس ——— ۶
صحرا بہ صحرا کوبہ کو ——— افتخار جلیل ——— ۹
تراشے ——— ۱۱
نوکِ نشتر ——— سبط اختر ——— ۱۲

مضامین

ہم کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے ———
——— احفاظ الرحمٰن ۱۹

افسانے

اندھیری رات کا مسافر ———
——— نسرین شہزاد ——— ۲۳
اندھیرے اندھیرے ——— تبسم جمیل ——— ۲۷

نظمیں غزلیں

احمد ظفر قریشی ۔ روحی کنجاہی ——— ۱۴
حزیں لدھیانوی ۔ باسط عظیم ——— ۲۵

تبصرہ

دھرتی کے ناسور ——— ۱۵

سرگرمیاں

سکھر میں بزم منشور کا قیام ——— ۳۱

خبرنامہ

مزدور یونینوں کی خبریں ——— ۳۶
نادم دکنیت بزم منشور ——— ۴۱

ائیرویز ایمپلائیز یونین ۔ پی آئی اے برانچ ۔ کراچی ائیرپورٹ، فون نمبر ۴۹۱۶۹

طابع مشہور پریس کراچی ۔

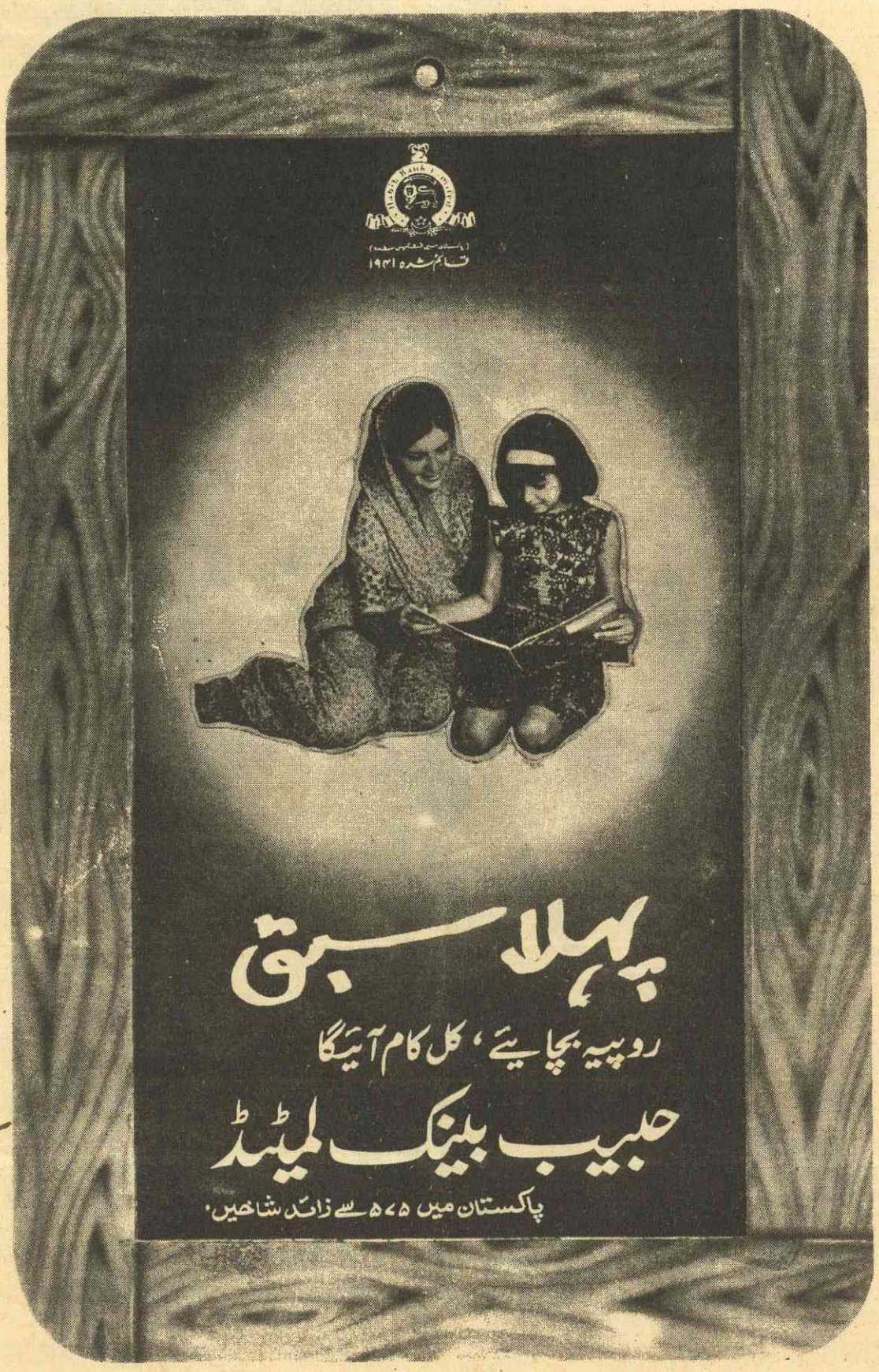
(پاکستان سیونگس بینک)
قائم شدہ ۱۹۳۱
پہلا سبق
روپیہ بچایئے، کل کام آئیگا
حبیب بینک لمیٹڈ
پاکستان میں ۵۷۵ سے زائد شاخیں۔

چین ——— ہمارا دوست

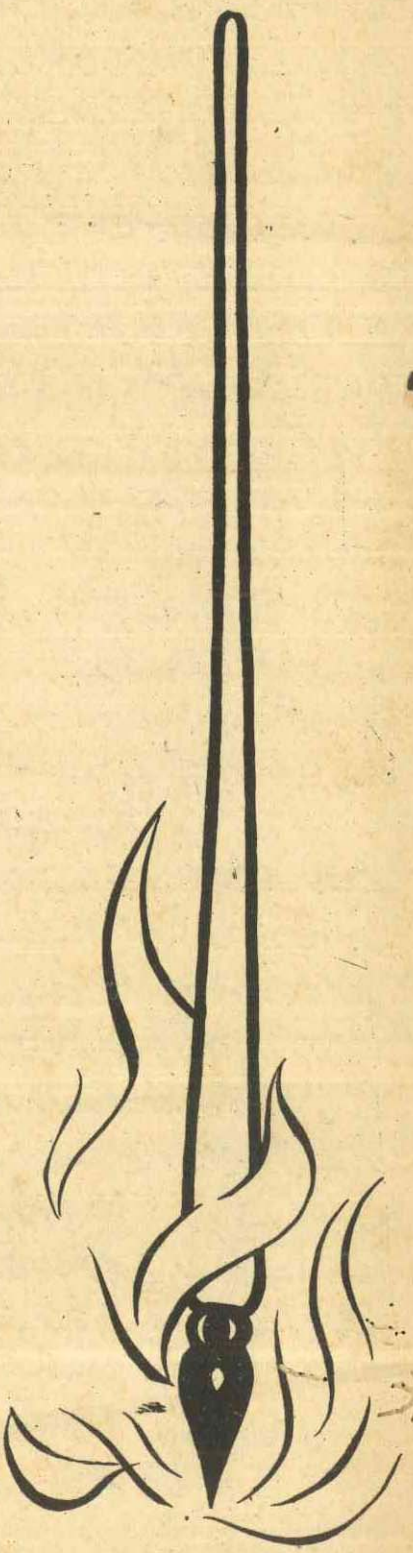

یکم اکتوبر ۱۹۶۸ء کو عوامی جمہوریہ چین کے قیام کو انیس ۱۹ سال ہو جائیں گے۔ ہم اس بات پر یقین رکھ سکتے ہیں کہ اپنے اس عظیم ترین دوست کی اس سالگرہ پر دنیا بھر کے تمام انقلابی جو اس موقعے سے واقفیت رکھتے ہیں، خلوص دل سے پر جوش محبت آمیز مبارکباد دیں گے۔

عوامی جمہوریہ چین کے عوام اور ان کے رہنماؤں کو مبارک باد دینا کوئی فرسودہ رسم نہیں ہے، کوئی منافقانہ چال نہیں ہے، کوئی شاطرانہ ترکیب نہیں ہے، بلکہ اس مبارک باد کا مطلب عوامی جمہوریہ چین کے مقاصد کی حمایت کرنا ہے۔ سوشلزم کی فتح کی حمایت کرنا ہے، روس کی سمت پر چلنے والی ترمیم پسندی کی گھناؤنی تحریک کی مخالفت کرنا ہے۔ امریکہ کے سائے تلے پنپنے والی انسان دشمن سامراجی معیشت، سیاست اور ثقافت کے خلاف ایک ہمہ گیر جدوجہد کو کامیابی کی حدوں تک پہنچانے کا عزم کرنا ہے، اور انسانیت کی پیش قدمی کی اس حیات بخش راہ کی حمایت کرنا ہے جس کی نشاندہی چین کے ۷۰ کروڑ عوام کرتے ہیں۔ اس کا مقصد ایک عزیز اور پرخلوص دوست کی حمایت کرنا ہے، اس لئے کہ آج انسانوں کی عظیم اکثریت مصیبتوں میں مبتلا ہے اور انسانیت اب صرف چین کے اختیار کئے ہوئے راستے اور چین کی امداد سے تمام مصیبتوں سے چھٹکارہ پا سکتی ہے۔

ہم پاکستانی عوام اپنی تاریخ میں تلخ اور شدید ترین مصیبتوں کے دور میں جی رہے ہیں۔ ایک طاقتور دشمن بھارت نے ہمارے وطن عزیز کی سرحدوں پر پچھلے دنوں یلغار کی تھی اور اب بھی اس کی پرہوس نگاہیں ہم سے بھرپور ہوشیاری کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ ایک ایسے نازک دور میں ہمیں اپنے اس سچے دوست کی امداد کی مستقل ضرورت ہے، "سچا دوست وہی ہے جو مصیبت میں کام آئے" یہ مثل ستمبر ۶۵ء کی قومی جنگ کے بعد پیدا ہونے والی ہماری موجودہ صورتحال کی بہت اچھی طرح ترجمانی کرتی ہے۔

لیکن ہمارا دوست کون ہے؟

یوں تو پاکستانی عوام کے نام نہاد اور خود ساختہ دوست بھی ہیں جنہیں مٹھی بھر پاکستانی خود بھی بلا سوچے سمجھے اور کچھ عذر باقاعدہ سازش کر کے دوست مان لیتے ہیں، لیکن ضرورت کے وقت پیٹھ میں چھرا گھونپنے والے ان دوست نما دشمنوں پر ذرہ برابر اور دم بھر کے لئے بھی اعتماد کرنا اپنی موت کو دعوت دینے سے کم نہ تو پہلے کبھی تھا اور نہ اب ہے۔ یہ "دوست" منہ پر رام رام اور بغل میں چھری رکھنے والے "دوست" ہیں۔ یہ لوگ کون ہیں یہ سامراجی لٹیرے ہیں یہ منافق اور دغاباز پاکستان سے ہمدردی کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ (بقیہ صفحہ ۸ پر)

ذکی عباس

ابھی حال ہی میں پاکستان کے تیرہ اہل قلم کے دستخطوں سے ادیبوں کیلئے ملک گیر پیمانے پر بنائی جانے والی ایک ادارتی تنظیم "عوامی ادبی انجمن" کا منشور شائع ہوا تھا۔ اب قبلہ جوش صاحب نے دستخط کنندگان میں سے اپنا نام واپس لے لیا ہے، اس طرح کل دستخط کنندہ بارہ ہیں۔ انجمن کا یہ منشور پاکستان کی دونوں قومی زبانوں اردو اور بنگلہ کے ساتھ ہی ساتھ چار علاقائی زبانوں سندھی، پنجابی، پشتو اور بلوچی میں چھاپ کر ایک صحت مند مثال قائم کی گئی ہے اور شاید یہی پہلو اس منشور کو مرتب کرنے والوں کا سب سے زیادہ تسلی بخش پہلو ہے۔

ہمیں اس حقیقت کا پورا پورا احساس و اعتراف ہے کہ اپنی مختلف بیباک اور جاندار تخلیقات کی وجہ سے اس منشور کے مرتب کرنے والے عوام کیلئے قابل توجہ رہے ہیں اور آئندہ بھی یہ لوگ قابل ذکر رہینگے خود منشور رسالے کے صفحات ان میں سے بہت سے قلمکاروں کی تخلیقات سے مزین ہیں۔ اور انہی باتوں کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر انجمن کے اس منشور کے صفحۂ اول پر ان نمایاں ہستیوں کے دستخط ثبت نہ ہوتے تو عین ممکن تھا کہ اس کی جانب توجہ دینے کی ضرورت بھی پیش نہ آتی۔ ان ناموں کو دیکھنے کے بعد منشور کے مندرجات، اس کی روح اور اس کے انداز فکر کا جائزہ لینے پر مجبور ہونا ہی پڑا کیونکہ ایک ادب دوست ہونے کے ناطے، صاحب مقام ادیبوں کی "دعوت عمل" پر کان نہ دھرنا بھی یقیناً ایک ادبی جرم ٹھہرتا۔ بہرحال بہ نظر غائر اس کا مطالعہ کرنیکے بعد جو تلخ حقیقتیں ابھریں، اُن کا اظہار کرتے ہوئے اگر قلم بھی کسی قدر تلخی پر مائل ہو جائے تو قصوروار نہ ہوگا۔

کتابی سائز کے ساڑھے پانچ صفحات کے اس منشور میں جن مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے وہ مختصراً یہ ہیں: پاکستان کے اہل قلم کا ذہنی انتشار، قنوطیت پسندی، فراریت، معاشرتی خلفشار اور مجہولیت، ادیب اور ادب کا صحت مند و سائنسی کردار، ادبی ورثے کا تحفظ، ادب اور معاشرے کا زندہ باہمی تعلق، تعلیمی نظام کا ناکارہ پن، قومی مساوات اور علاقائی زبانوں کیلئے ترقی کے مواقع فراہم کرنے کی ضرورت، انسان دوستی اور انسانیت دوست ادب، آزادیٔ فکر و تخلیق و تحریر و تقریر، جمہوریت، عالمی امن اور سامراج دشمنی وغیرہ۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ان موضوعات پر انجمن کے بانیوں نے اپنے انداز میں جن نظریات اور خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اپنی ظاہری صورت میں کچھ لوگوں کیلئے قابل قبول ہوں، مگر یہاں اس وقت ہمیں جو باتیں کہنی ہیں وہ ان میں سے بہت سے نظریات اور خیالات سے شدید ترین اختلاف کا منطقی نتیجہ ہیں، اگر کچھ اچھے اچھے الفاظ کو جمع کر کے ہی "عوامی ادبی انجمن" کا منشور مرتب کرنے کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو جانا تھا تو پھر ہم بھی یہ کہنا اپنا بنیادی فرض سمجھتے ہیں کہ مذکورہ انجمن کے منشور میں اس حیات و کائنات کے سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت الفاظ مثلاً مزدور، کسان، انقلابی، عوامی جنگ، عوامی جمہوریت، پرولتاری آمریت، اشتراکی ریاست، لاطبقاتی سماج تو سرے سے استعمال کرنے کی زحمت ہی نہیں کی گئی۔ مذکورہ منشور میں اس صداقت کی قطعی نشاندہی نہیں کیگئی کہ ہمارا معاشرہ طبقاتی تقسیم کا شکار ہے۔ اور ہمارے سماج میں طبقاتی کشمکش روز بروز جو شدت اختیار کرتی جا رہی ہے، اس پر بھی منشور خاموش ہے۔ آخر کیوں؟

آج کے قلمکاروں کو تو ظالموں کے خلاف مظلوموں کا ساتھ دینے کیلئے ہر طرح سے تیار و آمادہ رہنا چاہیئے۔ مگر افسوس کہ اس منشور میں اس فرض سے کلیتاً چشم پوشی کی گئی ہے۔ آج کے قلمکاروں کو مزدوروں، کسانوں اور دوسرے تمام مظلوم طبقوں سے گہرا اور مضبوط رشتہ قائم کرنا چاہیئے مگر افسوس کہ اس منشور میں اس فرض سے بھی اغماض برتا گیا ہے۔ آج کے قلمکاروں کو آسان، عام فہم اور عوامی انداز میں ادب تخلیق کرنا چاہیئے۔ مگر افسوس کہ اس منشور میں اس فرض کو بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ آخر کیوں؟!

بین الاقوامی مسائل پر بھی بڑی گھما پھرا کر بات کی گئی ہے اور حد سے زیادہ بھونڈے انداز میں دامن بچایا گیا ہے۔ ذرا یہ جملے تو پڑھیئے جو صفحہ ۵ پر موجود ہیں:

"ہمارا عقیدہ ہے کہ انسان کی بقا اور ترقی کا انحصار عالمی امن پر ہے اور علم و ادب اور فکر و فن کے پودے جنگ کے زہریلے ماحول میں بار آور نہیں ہو سکتے۔ ہماری رائے میں دنیا کے تمام نزاعی مسائل خواہ وہ سیاسی اور معاشی ہوں یا انسانی اور تہذیبی ہوں، باہمی گفت و شنید کے

ذریعے حل ہو سکتے ہیں۔ ملکوں اور قوموں کو باہمی منافرت اور جنگ پر اکسانے والوں کو ہم امن کا دشمن سمجھتے ہیں اس لئے ہم انسان کو انسان سے قریب لانے کی اور ملکوں کے درمیان مفاہمت اور دوستی بڑھانے کی تمام کوششوں کا خیر مقدم کرتے ہیں بشرطیکہ یہ کوششیں آزادی، جمہوریت اور قوموں کے حق خود ارادیت کے اصول پر مبنی ہوں۔!"

خوب! بہت خوب، ہماری تو یہ تجویز ہے کہ ان جملوں کو ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار پڑھئے اور اس منشور کو مرتب کرنے والوں کی گمراہ کن سوچ کا اندازہ لگائیے ان جملوں میں چھپی ہوئی منافقت کا سائنسی تجزیہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس منشور کے مرتبین عوام کو یہ بتا دیں کہ لفظ انسان سے ان کی کیا مراد ہے؟ امن اور جنگ سے ان کا کیا مطلب ہے؟ آزادی و جمہوریت کے وہ کیا معنی لیتے ہیں؟ قوموں کے حق خود ارادیت سے انکا کیا مفہوم ہے؟ ہمیں افسوس ہے کہ زیر نظر منشور کے ایک ایک لفظ کا متعدد بار مطالعہ کر لینے کے باوجود ہم ان سوالوں کے جواب سے محروم ہیں۔ یہ منشور ان سوالوں کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ آخر کیوں؟؟؟

کیا اس منشور کے دستخط کنندگان کی نظروں میں، اسٹالن ماؤ، ہوچی منہ، لومبا، چی گیویرا، فاطمہ برناوی، مینڈلا کی طرح ہٹلر، چیانگ کائی شیک، جانسن، شوبے، موشے دایان اور ایخمن بھی انسان ہیں؟ کیا امریکہ و برطانیہ کی جمہوریت اور چین و البانیہ کی جمہوریت ایک ہی جیسی ہیں؟ کیا عوام کے حق خود ارادیت کا تحفظ اسی طرح کیا جائے گا جس طرح کشمیر میں بھارت نے، فلسطین میں اسرائیل نے اور چیکو سلواکیہ میں روس نے کیا تھا؟ کیا ویتنام اور نکسل باڑی کے عوام کی جنگ آزادی قابل مذمت ہے؟

اگر اس منشور کے مرتب کرنے والوں کے نزدیک ان تمام سوالوں کا جواب (ان کے اپنے ماضی کے کردار کے پیش نظر) "نہیں" میں ہے تو وہ یہ بتائیں کہ انہوں نے انجمن کے منشور میں مذکورہ الفاظ کے درمیان پائے جانے والے فرق اور اختلاف کی اپنی غیر معمولی عقل و ذہانت کے مطابق پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ تخصیص کیوں نہیں کی؟ اور اگر ان کا جواب "ہاں" میں ہے تو پھر وہ یہ بتائیں کہ انہوں نے اپنی اس تنظیم کا نام "عوامی ادبی انجمن" کے بجائے "عوام دشمن ادبی انجمن" کیوں نہیں رکھا؟

عوام کا وہ حصہ جو سب سے زیادہ دکھوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہے، انسانوں کی نوے فیصد تعداد میں موجود مزدوروں اور کسانوں پر مشتمل مظلوم طبقہ، مرتبین منشور کی توجہ کا مرکز نہیں بن سکا۔ طبقاتی ناانصافی اور معاشی و معاشرتی و تہذیبی تضادات اور ان کے حل، اس منشور کے دستخط کنندگان کی نگاہوں سے اوجھل رہے ہیں، انہوں نے یہ بتانے سے گریز کیا ہے کہ وہ کون سا معاشرہ، کون سا نظام ہوگا جس میں "حقیقی" عوام خوش و خرم رہ سکیں گے اور جس کے قیام کیلئے اہل قلم کو اپنی کاوشیں وقف کر دینا چاہئیں۔ "حقیقی" عوام کو پہچانے بغیر، انسانوں کو ظالم و مظلوم طبقات میں تقسیم کئے بغیر، نہ تو ظالم کے خلاف فیصلہ کن جدوجہد کی جا سکتی ہے، نہ مظلوم کی حمایت میں سچی اور زور دار آواز اٹھائی جا سکتی ہے۔ مظلوم طبقے کو ظالم طبقے سے بہر حال علیحدہ کر کے مظلوم طبقے کیلئے انقلابی ادب تخلیق کرنا ہی آج کے باشعور اور عوامی ادیب کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فرض ہونا چاہئے اور جو کوئی بھی اس طبقاتی فرض سے انحراف کر کے ازلی طور پر ان دو الگ الگ طبقوں کو یکجا کر کے اور "کھوکھلی" انسانیت کی فلاح و بہتری کا بے بنیاد نعرہ بلند کرے، وہ "ظالم" کی بھی فلاح اور بہتری کا خواہشمند ہے یا لاشعوری طور پر اس مجرمانہ خواہش کا شکار ہے، حالانکہ ظالم صرف گردن مروڑ دیئے جانے کا مستحق ہے اور اس وقت جب تک ظالم، ظلم کرنیکے لئے زندہ ہے، کسی بھی قسم کے سچے امن کا کوئی بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے تمام مسائل باہمی گفت و شنید کے ذریعہ حل کرنے کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے اہل قلم تاریخ کے اوراق اور اپنے گریبانوں میں جھانک کر ذرا یہ تو بتائیں کہ ایسا کب ہوا ہے؟ اور اگر ہوا ہے تو پھر ذرا یہ بھی بتا دیں کہ کیا وہ حل واقعی "منصفانہ حل" تھا؟

راقم الحروف ذاتی طور پر پورے عجز و انکسار کے ساتھ یہ اعتراف کرتا ہے کہ منشور کے مرتب کرنے والوں میں بلاشبہ وہ ذہنی آفتاب شامل ہیں جن کی حیات بخش کرنوں سے خود حقیر کے ذہن نے جلا پائی ہے، اور یہ اسی جلا کا تقاضہ ہے کہ آج مجھ جیسے بہت سے ذہنوں میں طبقاتی شعور جگمگا رہا ہے اور اسی شعور کی بدولت ہمیں آج یہ پوچھنا ہے کہ انجمن کا یہ منشور مرتب کرنے والے کیا یہ نہیں سمجھتے کہ مختلف طبقے مختلف لفظوں کے مختلف معنی لیتے ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ظالموں کے نزدیک انسان، امن، آزادی، جمہوریت اور حق خود ارادیت جیسے لفظوں کا جو مطلب ہوا کرتا ہے وہ مظلوموں کے نزدیک حیوانی جنگ، غلامی، آمریت اور جبر محکومی قرار پاتا ہے؟ اگر یہ واقعی حقیقت ہے تو پھر یہیں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انجمن کا منشور مرتب

مرتب کرنے والوں کے ذہن بذات خود الجھے ہوئے ہیں، اگر اس انجمن کے قیام و تشکیل کی دھوم بہت طویل عرصے سے نہ ہو رہی ہوتی تو بھی یہ سوچا جاسکتا تھا کہ یہ سب کچھ لاشعوری طور پر ہو گیا ہوگا۔ عوامی ادبی انجمن کے اس منشور کا ابتدائی پیرا ان سطور پر ختم ہوتا ہے:

"ادب اور فن کی تخلیق کرنے والا طبقہ (؟) جس کا فرض عوام کی رہنمائی کرنا تھا، خود ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہے، اور اس میں بعض ایسے رجحانات ابھر رہے ہیں جو ادب اور معاشرے دونوں کیلئے مضر ہیں ——— !"

اس منشور کو مرتب کرنے والوں نے الفاظ کے جو پھول کھلائے ہیں وہ بظاہر خوشرنگ سہی، مگر صداقت کی خوشبو سے عاری ہیں۔ قبر پر چڑھائی جانے والی، پھولوں کی چادر کو چمن زار تو نہیں کہا جاسکتا۔ اس منشور میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اس کی توقع ان دانشوروں سے تو ہرگز نہیں کی جاسکتی تھی جو ——— "عوام کی رہنمائی" ——— کا دعویٰ کرتے ہوں ——— حقیقت تو یہ ہے کہ منشور کے مرتبین نے خود ایسی ذہنی الجھنوں اور ایسے رجحانات میں مبتلا ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے جو "ادب اور معاشرے دونوں کیلئے مضر ہیں"! اس منشور کے دستخط کنندگان کو آج نہیں تو کل پاکستان کے عوام کے سامنے بہر طور یہ وضاحت کرنی ہی پڑے گی کہ آخر وہ طبقاتی سوچ سے اپنا پیچھا کیوں چھڑانا چاہتے ہیں ——— ؟

بقیہ اداریہ

کچھ اور لوگ بھی ہیں جو ہم سے دوستی کا دم بھرتے ہیں اور ہمارے ہموطنوں کی کچھ تعداد ایمانداری سے انھیں اپنا دوست سمجھ رہی ہے۔ ہمارے ہموطن دراصل ان لوگوں کے ماضی کی شان و عظمت کی چکاچوند میں انکے چہروں کی موجودہ خباثت دیکھنے سے قاصر ہیں۔ لیکن جیسے جیسے ان اصول فروشوں کے اصلی خدوخال نمایاں ہوں گے ویسے ویسے اپنے دلیس کے عوام حقیقت حال سے باخبر ہوتے جائیں گے۔ امریکی سامراجیوں کی طرح ظالم و مظلوم کے ہاتھوں ہتھیاروں کی تجارت کرنے والے پرخلوص دوست نہیں بلکہ سامراجی عزائم رکھنے والے منافع خور ہوا کرتے ہیں۔

اس کے برعکس ——— یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں دوسری قسم کے دوستوں کی دوستی بھی حاصل ہے ایسے دوستوں کی دوستی جو ہم سے واقعی ہمدردی اور خلوص رکھتے ہیں۔ اور ہمیں اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ کون ہیں ——— یہ ہیں چینی عوام اور ان کے عظیم رہنما ماؤزے تنگ ——— !

کسی دوسرے ملک نے اپنی جان پر کھیل کر پاکستان کے عوام سے دوستی کا وہ سچا مظاہرہ نہیں کیا جو چین نے کیا ہے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں عوامی جمہوریہ چین کا رویہ بے مثال ہے۔ اس جنگ میں کسی بھی سامراجی ملک کی حکومت نے حقیقتاً ہماری مدد نہیں کی۔ سوشلزم کے راستے سے انحراف کرنے والے کسی بھی ملک کے ترمیم پسند حکمران غدار لوٹے نے ہمارے اصولی موقف کی تائید نہیں کی۔ اگر یہ مدد اور یہ تائید ہوئی بھی ہے تو پھر زبان اور کاغذ کی حد تک ہوئی ہے۔ عملی طور پر ہر ایک کا ریکارڈ ہمارے سامنے ہے اور ہم اب اتنے نادان و کم فہم بھی نہیں کہ دوست و دشمن میں تمیز نہ کر سکیں۔ صادق و منافق کی پرکھ نہ کر سکیں۔

کیا یہ نکتہ بالکل واضح نہیں ہے کہ:۔

عوامی جمہوریہ چین کی سرزمین، اس کے عوام اور رہنما، مفکر و سیاستداں، مزدور اور دانشور ——— پاکستانی عوام کے تحفظ اور اہل کشمیر کی آزادی کے مقاصد کو واقعی امداد دے سکتے ہیں اور ان کی مدد کے بغیر ہم اپنے مقاصد میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتے۔!

چین ——— پاکستانی عوام کی حفاظت اور کشمیری عوام کی آزادی کے عظیم و مقدس مقاصد کا سچا دوست ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ اب اختلاف کے بیج بونے کی کوئی کوشش، کوئی جھوٹ، کوئی بہتان، اس محبت اور احترام، اس عقیدت و خلوص کو متاثر نہیں کر سکتا۔ جو پاکستانی عوام اپنے دل کی گہرائیوں میں چین اور اس کے عظیم رہنما ماؤزے تنگ کے لئے رکھتے ہیں۔ نہ ہی اس سے ہماری اور چینی عوام کی سچی اور لافانی دوستی پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے۔

افتخار جلیل

چیکوسلواکیہ

۲۰ اگست کی رات میں روس اور اس کے حاشیہ برداروں کی فوج نے چیکوسلواکیہ پر چاروں طرف سے دھاوا بول دیا۔ اس جارحانہ کارروائی سے پہلے روس اور اس کے ہمنوا حکمران ٹولوں نے چیکوسلواکیہ کے حکمرانوں کو "آزادی پسندانہ" راہ سے روکنے کی سرتوڑ کوششیں کی تھیں اور جب بات دھونس دھمکیوں اور سودے بازیوں سے نہیں بنی تو سوشلزم کا لبادہ اوڑھے ہوئے سامراجی قزاقوں نے چیکوسلواکیہ سے کئے ہوئے دوستی اور محبت کے سارے معاہدوں کی آڑ لیکر چیکوسلواکیہ پر ہلّہ بول دیا۔

روسی حکمران اور اس کے ہمنوا دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اس جارحانہ کارروائی کا مقصد "سوشلزم" کا تحفظ اور "استحکام" تھا۔ لیکن واقعات کا تجزیہ خود بتا رہا ہے کہ یہ اقدام صرف اور صرف اپنے حلقہ اثر کے "تحفظ اور استحکام" کے لئے اٹھایا گیا۔

چیکوسلواکیہ میں جو کچھ ہوتا رہا اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کا ذمہ دار بھی روسی ترمیم پسند ٹولہ ہے۔ اگر روسیوں کو امریکہ کے حکمرانوں سے دوستی کی پینگیں بڑھانے کا "حق" ہے تو اسی "حق" سے چیکوسلواکیہ کے حکمرانوں کو کیوں محروم کیا جاتا ہے۔ اور جب اسی "حق" کو چیکوسلواکیہ کے ترمیم پسند ٹولے نے استعمال کیا تو روسی حکمراں چراغ پا ہو گئے اس غصہ اور جھنجھلاہٹ کا سبب اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے کہ اس طرح سے ان کی چودھراہٹ پر حرف آ رہا تھا۔

روسی حکمران اٹلی، جاپان اور دوسرے سرمایہ دارانہ ممالک کو اپنے ملک میں سرمایہ لگانے کی اجازت دیں۔ تو اسے سوشلزم کی "خدمت" کا نام دیا جائے اور جب چیکوسلواکیہ کے حکمراں ایسے اقدامات کریں تو انھیں سوشلسٹ دشمن کہا جائے۔

روسی حکمران ٹیٹو اینڈ کمپنی سے یاری کو سوشلسٹ بلاک کو مستحکم کرنے کا نام دیں اور جب ڈیوبچک اینڈ کمپنی اسی راہ پر چلیں تو اسے سوشلسٹ بلاک سے غداری کہا جائے۔

روسی حکمراں اپنے ملک میں سرمایہ داری کے اجرا کے اقدامات کریں تو ان پر مارکسزم لیننزم میں "تخلیقی اضافہ" کا پردہ ڈالا جائے اور چیکوسلواکیہ کے ترمیم پسند حکمرانوں پر اسی "جرم" میں "دائیں بازو کی ترمیم پسندی" کا لیبل لگا دیا جائے۔

دراصل روسی اور چیکوسلواکیہ کے حکمرانوں میں بنیادی فرق کوئی بھی نہیں ہے اور اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ ان تمام حالات کے باوجود روس کے حکمرانوں نے چیکوسلواکیہ کے حکمرانوں سے سودے بازیاں کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور حد یہ ہے کہ روسی حکمراں پورے پولٹ بیورو کے ساتھ چیکوسلواکیہ سے گفت و شنید کرنے گئے اور اس کے بعد ایک ایسا اعلامیہ بھی شائع کیا جس سے یہ ظاہر کیا گیا کہ جیسے سب کچھ "ٹھیک ٹھاک" ہو گیا کیا یہ گفت و شنید اور سودے بازی اس حقیقت کا اظہار نہیں ہے کہ ان تمام سوشلزم دشمن اقدامات کے باوجود ان میں ایسی مشترک اقدار تھیں جن کی بنیاد پر مصالحت کے امکانات کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔؟ کیا اس اعلامیہ کے ذریعے دونوں حکمران ٹولوں نے اپنے گھناؤنے کردار کو چھپانے کی ناکام کوشش نہیں کی۔؟ کیا اس اعلامیہ کے ذریعے ڈیوبچک ٹولے کی پالیسیوں کی توثیق نہیں کی گئی۔؟ ان حقائق کو جھٹلانا ممکن نہیں — اور اس کے ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ دونوں سوشلزم سے غداری کر رہے ہیں، دونوں ترمیم پسند ہیں، دونوں سامراج نواز ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اس حملہ کا مقصد سوشلزم کی حفاظت نہیں بلکہ ترمیم پسند گروہ کے گروہی مفادات کا تحفظ ہے۔

یہ سودے بازیاں اور پھیلے بازیاں تو چیکوسلواکیہ پر حملہ سے پہلے کی گئیں اور اس حملہ کے وقت ڈیوبچک ٹولے نے اطاعت پسندی، بزدلی اور عوام دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے عوام اور فوج کو "مزاحمت" نہ کرنے کی ہدایات جاری کیں اور اس کے ساتھ ہی روسی ترمیم پسندوں نے ایک طرف تو سامراجیوں کے سرغنہ لنڈن بی جانسن سے اپنے امریکی سفیر کے ذریعے رابطہ قائم کیا اور دوسری طرف ڈیوبچک ٹولے سے "گفت و شنید" کر کے یہ ثابت کر دیا کہ یہ کتنے بے شرم ہیں۔

اس کے بعد جن حالات میں گفتگو ہوئی اور اعلامیہ جاری کیا گیا۔ آئیے ذرا اس کا بھی تجزیہ کرتے چلیں۔ ذرا خوبصورت محاورں اصطلاحات کا بھی آپریشن کر لیں۔ جس کے ذریعے دونوں نے اپنے جرائم کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔

روسی ترمیم پسند حکمران ٹولے نے چیکوسلواکیہ پر فوجی قبضہ کرنے کے بعد چیکوسلواکیہ کے ترمیم پسند حکمران ٹولے کے سرغنہ ڈیوبچک کمپنی کو "بات چیت" کے ذریعہ "چیکوسلواکیہ۔ روسی گفت و شنید پر اعلامیہ" کی کھچڑی پکانے کیلئے ماسکو جانے پر مجبور کیا۔ یہ روسی ترمیم پسند حکمران ٹولے پر امریکی دباؤ اور بین الاقوامی طور پر روسی۔ امریکی رجعت پسند گٹھ جوڑ کا نتیجہ ہے۔ یہ گندا سودا روسی ترمیم پسند حکمران ٹولے نے چیکوسلواکی ترمیم پسند حکمران ٹولے کے ساتھ خود کو موجودہ خطرناک صورتحال سے نکالنے کیلئے کیا ہے۔ یہ چیکوسلواکی ترمیم پسند حکمران ٹولے کی اپنے عوام سے ایک اور غداری ہے۔ یہ ایک اور بھونڈا دھوکہ

ہے جس کے ذریعہ یہ دونوں ترمیم پسند لوٹے چیکوسلواکی۔ روسی اور دنیا بھر کے عوام کو جل دینا چاہتے ہیں۔

"اعلامیہ" میں روسی ترمیم پسندوں نے "علاقائی حدود" "دوستی" اور "اتحاد" کا احترام اور "اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے" کے بلند بانگ دعوے کئے ہیں۔ روسی حکمران بھی امریکی سامراج کی طرح خوبصورت الفاظ نعروں اور دعوؤں کے پردے میں اپنے مجرمانہ کردار کو چھپانا چاہتے ہیں۔

انہوں نے چیکوسلواکیہ پر قبضہ کرنیکے لئے لاکھوں کی تعداد میں فوجیں بھیج دیں۔ یہ اعلامیہ میں دعویٰ "علاقائی حدود کے احترام" کا کیا جارہا ہے — یہ بے شرمی کی انتہا ہے۔

چیکوسلواکی حکومت کے سربراہوں کو یک قلم موقوف کرکے ماسکو بھیجدینا اور سنگینوں کے بل پر اپنے پالتو کتے ان کی جگہ بٹھادینا اگر "اندرونی معاملات میں مداخلت" نہیں ہے تو کیا ہے؟

چیکوسلواکیہ کی سرزمین پر روسی دندناتے پھر رہے ہیں۔ روسی سپاہی چیکوسلواکی عوام پر مظالم ڈھارہے ہیں۔ کیا دنیا میں کہیں اس قسم کی "دوستی" اور "اتحاد" کی مثال ملے گی۔؟

"اعلامیہ" میں "پورے سوشلسٹ بلاک" کے "مفادات" کی حفاظت کے متعلق چکنی چپڑی باتیں لکھی گئی ہیں۔ اس مہمل اعلان کا حقیقی مقصد مشرقی یورپ میں روسی ترمیم پسند حکمران لوٹے کے نوآبادیاتی مفادات کا استحکام ہے۔ مشرقی یورپ کے ممالک کے اقتدار اعلیٰ پر ڈاکہ پورے "بلاک" کا مفاد بتایا جارہا ہے۔ جو کوئی بھی ان کی اس لوٹ اور جبر کا مقابلہ کرنے کی ہمت کرتا ہے ان کے خلاف جارحانہ فوج کشی کو بھی پورے "بلاک" کے مفاد کا نام دیا جارہا ہے کیا یہ بھی امریکی سامراج کے "آزاد دنیا" کے بلاک کی طرح کا ہی "بلاک" نہیں ہے؟

"اعلامیہ" میں کہا گیا ہے کہ جیسے ہی "حالات معمول" پر آئیں گے روسی فوجیں چیکوسلواکیہ سے واپس بلالی جائیں گی۔

کیا امریکی سامراجی بار بار یہ وعدہ نہیں کرتے رہے ہیں کہ جیسے ہی دیت نام میں "آزادی" اور "امن" کے تحفظ کی ضمانت مل جائیگی امریکی فوجیں وطن واپس بلالی جائینگی؟۔ امریکی سامراج اور روسی ترمیم پسند دونوں ہی پرلے درجے کے مکار سامراجی ہیں۔ اور دونوں ایک ہی زبان میں بات کرتے ہیں اور دونوں ہی بے شرمی میں ایک دوسرے کو مات کرنیکی کوشش کررہے ہیں۔

لیکن روسی ترمیم پسندوں نے اس "اعلامیہ" میں ایک بہت ہی اچھی بات کہی ہے۔ انہوں نے چیکوسلواکیہ میں فوجیں بھیجنے کی "دلیل" کا بھانڈا خود ہی پھوڑ دیا۔ کیا فوجیں بھیجتے وقت انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ ڈوبچک کی سرکردگی میں چیکوسلواکی رہنما لوٹلی "دائیں بازو کا ترمیم پسند گروہ" ہے؟ کیا انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ ڈوبچک گروہ کے "ظالمانہ" اقدامات نے چیکوسلواکیہ کے سوشلسٹ مفادات کیلئے حقیقی خطرہ پیدا کردیا ہے؟ کیا انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ انھیں چیکوسلواکیہ میں سوشلزم کے دفاع "اور اعلیٰ بین الاقوامی فرائض" کو پورا کرنے کیلئے چیکوسلواکیہ میں فوجیں بھیجنی پڑیں؟ اور اس کے چند ہی دن کے بعد نام نہاد "اعلامیہ" میں ڈوبچک گروہ کے موقف کو "سمجھے" اور اس کے لئے اپنی "حمایت" کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے قلابازی کھائی۔ کتنے بہترین طریقے سے اپنے ہی منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ ڈوبچک گروہ سے گٹھ جوڑ کیا یہ نہیں بتاتا ہے کہ یہ سارا ڈرامہ صرف اور صرف روسی حکمرانوں نے اپنے سامراجی مفادات کے تحفظ کیلئے کھیلا تھا ایک ترمیم پسند دوسرے ترمیم پسندوں کا مخالف کیوں ہونے لگا۔

چیکوسلواکیہ۔ روسی گفت وشنید پر اعلامیہ فوجیں بھیجنے کے بعد روسی ترمیم پسندی کی پیرنیحالت کا ثبوت ہے۔ انہوں نے سوچا تھا کہ چیکوسلواکیہ پر قبضہ کرنیکے بعد وہ جدید ترمیم پسند بلاک میں خود کو اور مستحکم بنانے کے قابل ہوجائیں گے لیکن ان کی یہ خواہش صرف خوش فہمی ثابت ہوئی اور روسی ترمیم پسندوں کے اس جارحانہ اقدام نے چیکوسلواکی عوام کو مزاحمت پر مجبور کردیا۔ اور انھیں تمام دنیا کے انقلابی عوام کی مذمت کا نشانہ بننا پڑا۔ روسی ترمیم پسند چیکوسلواکیہ میں ایک نئے مخمصے میں پھنس گئے ہیں۔ فوجیں واپس بلانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور وہاں ٹھہرنا محال ہے۔ اسی کو کہتے ہیں سانپ کے منہ کی چھچھوندر نہ اُگل سکیں اور نہ نگل سکیں۔

ماسکو کی بات چیت میں امریکی سامراجیوں کا ہاتھ بھی ہے۔ اور یہ امریکی روسی بین الاقوامی گٹھ جوڑ کا حصہ ہے۔ چیکوسلواکیہ کے معاملے پر روسی ترمیم پسندوں اور امریکی سامراجیوں میں رسہ کشی بھی ہوئی اور گٹھ جوڑ بھی ہوا۔ ایک طرف امریکی اپنے سامراجی حلقہ اثر کو پھیلانے کیلئے ڈیوبچک اینڈ کمپنی کی ہمت افزائی کرکے انھیں روس کے حلقہ اثر سے نکال لانا چاہتے تھے اور دوسری طرف وہ روس سے موجودہ حالات میں ٹکرانا بھی نہیں چاہتے تھے۔ روسی حکمرانوں کی بھی حالت یہی تھی اور اسی وجہ سے روسی لوٹے نے امریکی حکمرانوں کو اپنے سفیر کے ذریعے "صورتحال" سے فوراً آگاہ کردیا تھا اور امریکی سامراجیوں نے چیکوسلواکیہ پر روسی ترمیم پسند مسلح جارحیت کی درپردہ اجازت دیتے ہوئے اعلیٰ امریکی۔ روسی تعلقات کو مدنظر رکھنے پر زور ڈالا۔ امریکی سامراج کے سرغنوں لنڈن جانسن اور ڈین رسک نے کھلم کھلا چیکوسلواکیہ کے معاملات پر روسی ترمیم پسندوں کو "عقل سے کام لینے" اور ڈوبچک لوٹلی کے خلاف "انتہائی اقدامات" کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ روسی حکمرانوں نے "احکامات" پر بے چون وچرا عمل کرتے ہوئے غدار ڈوبچک لوٹلی کے اقتدار کو بحال کردیا۔ اور انھیں اپنی نگرانی میں سوشلزم دشمن راہ پر چلنے کی آزادی دے دی۔ اس سودے بازی اور گٹھ جوڑ نے ہر شخص کو سمجھا دیا ہے کہ روسی ترمیم پسند سامراجی اور امریکی سامراجی چیکوسلواکیہ کو اپنی سیاسی سودے بازی کیلئے استعمال کررہے ہیں۔ سیاسی معاملات طاقت کے بل پر حل کررہے ہیں اور دونوں ہی چیکو سلواکیہ کے عوام کے بدترین دشمن ہیں۔

ناز ہیئر آئل

آملہ

- اس تیل کو سائنٹفک طریقوں سے صاف کرکے تیار کیا گیا ہے۔
- یہ تیل بالوں اور دماغ کے لئے بہت مفید ہے۔
- یہ تیل گنج پن کو دور اور ان کی جگہ نئے بالوں کو پیدا کرتا ہے
- بالوں کو لمبا اور قدرتی طور پر سیاہ اور چمکدار بناتا ہے
- یہ خالص تل کے تیل سے تیار کیا گیا ہے۔

ناہید کیمیکل کمپنی کراچی (پاکستان)

جس نے عوامی ضرورت کی اشیاء کو روک کر رکھا، یعنی ذخیرہ کرلیا وہ گنہ گار ہے ——— حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

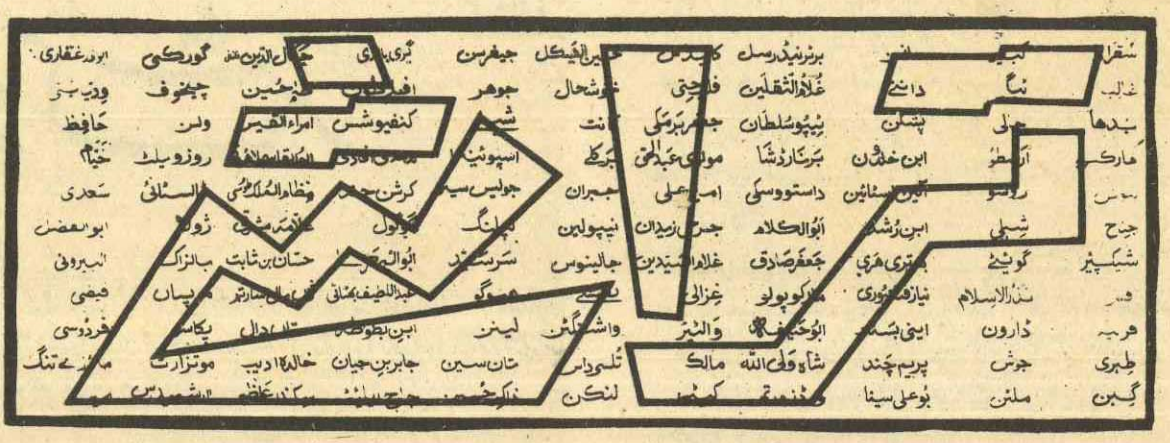
سقراط
غالب
بدھا
مارکس
جرح
شیکسپیر
فیثا غورث
ہیرو
طبری
گبن
برٹرینڈ رسل
غلام الثقلین
ابن خلدون
ابن ہشام
داستووسکی
ابن رشد
جمال الدین افغانی
ابوالکلام
جعفر صادق
غزالی
والٹیر
مالک
لنکن
جیفرسن
جوہر
شبلی
اسپوٹنیک
جبران
نپولین
جالینوس
ہومر
لینن
ابن بطوطہ
جابر بن حیان
گوتم بدھ
گورکی
چیخوف
ولسن
روزویلٹ
سعدی
ژولا
حسان بن ثابت
حافظ
ابوالفضل
البیرونی
بیضی
خیام
فردوسی
موتزارت
ابوریحان البیرونی
ہیگل
ٹالسٹائی
بالزاک
مارٹر
پاسچر
خالد ادیب
ابوالعلاء المعری
ابن سینا
ابن الہیثم
ابن الخطیب
ابن ماجہ
ابن ہشام
ابن ہشام
ابن ہشام

نوکِ نشتر

سبط اختر

کوئی قاتل اگر قتل کرنیکے کچھ عرصے کے بعد پکڑا جائے اور سزا سے بچنے کے لیے یہ صفائی پیش کرے کہ مجھے قتل کے وقت یا قتل کے فوراً بعد کیوں نہیں پکڑا گیا اب اتنے عرصے بعد کیوں پکڑا گیا ہے ؟

یا

کوئی چور اپنی صفائی میں جج کے سامنے یہ دلیل پیش کرے کہ میں نے چوری آپ کے یہاں تو نہیں کی ہے ۔ پھر آپ سے کیا مطلب ؟

ان دونوں یا اسی قسم کی اور دلیلوں سے قتل یا چوری کے جرم کی اہمیت میں کمی تو نہیں واقع ہو جاتی ۔!

یقین جانیے ہمارے پاکستان میں بالکل ایسے ہی قاتل اور چور موجود ہیں جو اپنی صفائی میں یہی دلیل دیتے ہیں ۔ وضاحت کیلئے عرض ہے کہ نام نہاد صالحین کی جماعت نے بالکل یہی موقف اختیار کیا ہوا ہے ۔

پاکستانی عوام کے ساتھ عوامی جمہوریہ چین کے عوام کی لازوال دوستی امریکی سامراج اور اس کی لے پالک جماعت اسلامی کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے ۔ گزشتہ کافی عرصے سے یہ جماعت چین کے خلاف انتہائی زہریلے اور غلیظ پروپیگنڈے میں مصروف ہے اب تو انگلی پکڑتے پکڑتے کلائی تک پکڑنے کی ہمت کرنے لگی ہے ، یعنی براہ راست پاک چین تعلقات پر حملے کر رہی ہے ۔ ان تازہ حملوں کا آغاز مدار یوں کی اس جماعت کے ماہنامے " ترجمان القرآن کے جون ۱۹۶۸ء کے اداریے سے کیا گیا ہے ۔ اس جماعت کو ہمیشہ سے پاکستان اور پاکستانی عوام کے خلاف مختلف قسم کی سازشیں کرتے رہنے کی کھلی آزادی مل رہی ہے اور اس کے تمام مذموم جرائم کی طرف سے چشم پوشی کی جاتی رہی ہے ۔ اس بار حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے شاید کچھ اور لوگوں کی نظر بھی اس طرف چلی گئی اور جب ترجمان القرآن کا جون ۶۸ء کا اداریہ بنگلہ زبان میں ترجمہ کر کے پمفلٹ کی شکل میں منظم طریقے سے مشرقی پاکستان کے عوام میں تقسیم کیا جانے لگا تو سنجیدہ حلقوں کی طرف سے جماعت کے سیاہ کرتوتوں کو ایک آدھ اخبار کے ذریعے عوام کے سامنے لایا گیا اور اس مذموم مہم کی مذمت کی گئی ۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جماعت اسلامی کے کرتا دھرتا اس بروقت اور رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر نادم ہوتے اور عوام سے اپنے اس شرمناک اور عوام دشمن جرم پر معافی مانگتے اور اپنے چہروں کو مزید کالک پتوانے سے بچاتے لیکن اس کے برخلاف جماعت اسلامی بات کو ٹالنے والا وہی موقف اختیار کر رہی ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے ۔ جماعت اسلامی کے ترجمان ہفت روزہ آئین بابت ۳ر اکتوبر ۶۸ء صفحہ ۵ پر ملاحظہ فرمایئے :-

" ـــــ یہ ترجمان القرآن جون ۶۸ء کے ایک مضمون اور اس کے بنگلہ ترجمے کا بہانہ تھا ۔ لیکن شاید ہی اس سے زیادہ کمزور بہانہ کبھی استعمال میں لایا گیا ہو ۔ دوسری بہت سی باتوں کو نظر انداز کر کے صرف یہی دیکھ لیجئے کہ

• ۔ کیا جون ۶۸ء سے ستمبر ۶۸ء تک انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ یا پریس برانچ نے اس مضمون کو قابل اعتراض قرار دیا ؟

• ۔ کیا اس مضمون کی بنیاد پر اس کے طابع و ناشر سے کوئی ضمانت طلب کی گئی ۔ ؟

• ـــ کیا خود وزارت خارجہ نے اسے ایک خطرناک تحریر محسوس کیا ؟

• ـــ کیا جون ۶۸ء سے ستمبر ۶۸ء تک اس مضمون میں سے پریس ٹرسٹ کے انہی اخبارات نے کوئی نکتہ برآمد کیا جو ستمبر کے بعد سے " فرض شناسی " اور کارگزاری " کے دنگل میں ایک دوسرے کو پچھاڑنے میں لگے ہوئے ہیں ؟ "

دیکھا آپ نے ۔ جون ۶۸ء سے ستمبر ۶۸ء تک کے درمیانی عرصہ میں کسی نے اس پر گرفت کیوں نہیں کی ۔ یعنی جب میں نے قتل کیا تھا اس وقت مجھے کیوں نہیں پکڑا گیا تھا ۔ اب اتنے دن بعد کیوں پکڑا جا رہا ہوں جواباً عرض ہے کہ دو تین ماہ کا عرصہ گزر جانے کے بعد آپ کے جرم کی اہمیت میں کیا کمی واقع ہو گئی ۔ اس کی سزا اب بھی وہی ہو گی جو دو ماہ پہلے پکڑے جانے پر ہوتی ہے ۔ عوام اس سلسلے میں کسی انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ پریس برانچ یا وزارت خارجہ کی کارروائی کا انتظار نہیں کرتے ۔ خدا کا شکر ہے کہ عوام کا ترجمان منشور اپنی اس ذمہ داری اور ادائیگی فرض سے غافل نہیں رہا اور جون ۶۸ء کے ترجمان القرآن کے ذریعے پھیلائے جانے والے زہریلے پروپیگنڈے کو اسی وقت یعنی منشور کے جولائی ۶۸ء کے شمارے کے ذریعے عوام الناس کی عدالت میں پیش کر دیا گیا تھا (ملاحظہ ہو منشور جولائی ۶۸ء صفحہ ۹) ہم پھر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ منشور نے پاکستان میں سامراج کی ہر قسم کی سازشوں کا بھرپور مقابلہ کرنے ، سامراجی ایجنٹوں اور دلالوں کی مذہب کے نام پر سیاسی چالوں سے عوام کو ہر وقت ہوشیار کرتے رہنے اور سازشیوں کے سر کچلنے کا بیڑہ اٹھایا ہے ، یہ بات جماعت اسلامی کے سیاسی نقاب پوش بھی گرہ میں باندھ لیں اور پاکستان کے محب وطن عوام بھی اس پر مکمل اطمینان رکھیں کہ نہ صرف پاکستان کے عظیم ترین اور عزیز ترین دوست عوامی جمہوریہ چین بلکہ دنیا بھر کے عوام کے تمام دوست ممالک کے خلاف ہر سامراجی پروپیگنڈہ کا منشور ہر وقت اور بھرپور مقابلہ کرتا رہے گا ۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم خود بھی جماعت اسلامی سے چپکے سے ایک بات پوچھ لیں ۔ جون ۶۸ء اور ستمبر ۶۸ء یعنی صرف تین مہینوں کے چکر میں آپ لوگ بات گھمائے دے رہے ہیں ذرا یہ تو بتایئے کہ

" منشور کے مئی ۶۶ء کے شمارے میں شائع شدہ مواد کو توڑ مروڑ کر جو ناپاک اور جھوٹی مہم اکتوبر ۶۷ء میں یعنی ڈیڑھ سال بعد شروع کی گئی تھی ، اس وقت منشور نے تو اس طرح بات نہیں اڑائی تھی کہ اس عرصے میں انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ یا پریس برانچ نے کارروائی کیوں نہیں کی ۔ ؟ یا اس سے پہلے کسی نے کوئی اعتراض کیوں نہیں کیا تھا ۔ ؟ بلکہ منشور نے تو انتہائی جرأت اور بے باکی سے اس مہم کے پیچھے کام کرنے والے جماعت اسلامی کے امریکی آقاؤں کو بے نقاب کیا تھا اور

سامراجی دلالوں کے ہر جھوٹے الزام کا جواب دیا تھا۔

کیا منشور کے خلاف وہ ڈیڑھ سال بعد چلائی جانے والی مذموم مہم پی آئی اے کے دس ہزار ملازمین کی نمائندہ تنظیم ایئر ویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کو توڑنے کی مکروہ سازش نہیں تھی۔؟ کیا وہ مکروہ مہم امریکی سی آئی اے کے اشاروں پر نہیں چلائی گئی تھی۔ ؟

پھر کہہ دیجئے ناکہ اب اتنے عرصے بعد یہ سوال کیوں پوچھے جارہے ہیں۔

جماعت اسلامی کی چین دشمنی اور اس کے بر وقت پکڑے جانے کا ذکر چھڑ ہی گیا ہے تو اس سلسلے میں جماعت اسلامی کے رسالوں کی بوکھلاہٹ کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ عوام کی مار واقعی اوسان خطا کر دیتی ہے۔ چنانچہ جماعت اسلامی کا کوئی رسالہ ایک بات لکھ رہا ہے تو دوسرا کچھ اور اناپ شناپ بک رہا ہے، کہیں پر اصل مضمون کی الٹی سیدھی وضاحت کی جارہی ہے اور کہیں جماعت اسلامی کے پرانے لٹریچر اور مودودی صاحب کی سابقہ تقریروں سے چھانٹ چھانٹ کر وہ باتیں پیش کی جارہی ہیں اور یہ ثابت کیا جارہا ہے کہ جماعت اسلامی اور مودودی صاحب سے بڑھ کر کوئی چین کا دوست ہو ہی نہیں سکتا۔ خاص طور پر ایک اقتباس قارئین کی دلچسپی کا باعث یقیناً ہوگا جس میں اسی بنگلہ پمفلٹ کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

"اس پمفلٹ کے کسی لفظ سے یہ مفہوم متبادر نہیں ہوتا کہ اس پمفلٹ کا شائع کرنے والا دو ملکوں کی دوستی کا منکر ہے۔ بلکہ اس کا واحد مقصد یہ ہے کہ اس دوستی کو پائدار اور مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا جائے اور کوئی رخنہ باقی نہ رہنے دیا جائے، کیونکہ چین نے پاکستان کی مصیبت کے وقت پوری ہمدردی کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن کچھ لوگ جنھیں پاک چین دوستی کی اتنی فکر نہیں جتنی جماعت اسلامی کو مطعون کرنے کی۔ وہ اس پمفلٹ کو پاک چین دوستی میں رخنہ پیدا کرنے کی کوشش کا نام دے کر ان کوتوں کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں جو فی الواقع اس دوستی کے مخالف ہیں۔

(ہفت روزہ ایشیا لاہور ۲۰ اکتوبر ۶۸ء صفحہ ۵)

بوکھلاہٹ دیکھی آپ نے۔ یعنی وہ پمفلٹ اس لئے شائع کیا گیا تھا کہ پاکستان اور چین کی دوستی پائدار اور مستحکم ہو جائے۔ پتہ نہیں پھر لوگ جماعت اسلامی پر الٹا پاک چین دوستی توڑنے کا الزام کیوں لگا رہے ہیں۔

ہفت روزہ ایشیا کے اس مضمون میں اس بنگلہ پمفلٹ کا کچھ حصہ نقل کیا گیا ہے جس میں چین کی اس امداد و اعانت کا ذکر کیا گیا ہے جو اس نے پاک بھارت جنگ کے وقت اور جنگ کے بعد کی ہے پھر اس پر مندرجہ ذیل تبصرہ بھی ضروری سمجھا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ چین سے پہلے بھی کوئی ہماری مدد کر چکا ہے!۔

"سوال یہ ہے کہ کیا صرف چین ہی کے احسان کا اعتراف ہم پر واجب ہے یا کسی "اور" کے احسانات کا شعور و احساس بھی۔"

یہ کسی "اور" سے کیا مراد ہے۔ منشور کے قارئین اتنے بھولے اور ناسمجھ نہیں ہیں کہ انھیں اس کا مطلب بھی بتایا جائے۔ لیکن ہم امریکی سامراج کے ان حواریوں کے ذہن میں یہ بات ضرور بٹھانا چاہیں گے کہ

"آپ کے "کسی اور" نے ہم پر جو احسانات کئے ہیں وہ تو پاکستانی قوم آج تک بھگت رہی ہے۔ ان احسانات کے عوض تو اب تک کروڑوں ڈالر سالانہ پاکستانی خزانے سے صرف سود ہی ادا کیا جاتا ہے، اصل احسانات ابھی واجب الادا ہیں۔ ان امریکی آقاؤں کے احسانات کا شعور و احساس آپ کو ہو تو ہو۔" پاکستانی قوم ان کا احسان ماننے کو تیار نہیں ہے۔

آج کل جماعت اسلامی میں جو تڑ جوتیوں میں دال بٹ رہی ہے اس سے جماعت اسلامی سے متعلق حضرات ہم سے زیادہ واقف ہیں۔ چین دشمنی کی حالیہ بے اصولی کی مہم سے جماعت اسلامی مزید جس پھوٹ اور انتشار سے دوچار ہو گی اس کے بارے میں اس جماعت صالحین سے امیدیں رکھنے والے صاحبان ہی کچھ سوچیں یا امریکی آقا اس کا کوئی حل نکال کر انھیں دیں۔

FINIS
SUPERSONIC 20 C
AMERICAN PEST CONTROL ASSOCIATION U.S.A.
New! Powerful Insecticide
for Modern Living

احمد ظفر قریشی

لہو کی آنچ تیز کر

لٹا بدن کا سیم و زر
لہو کی آنچ تیز کر

نفس نفس شرار ہو
نگاہ شعلہ بار ہو
وجود بے قرار ہو

اٹھا دے حشر دربدر
لہو کی آنچ تیز کر

تری عجیب زندگی
قدم قدم پہ بندگی
نہ آرزو نہ خند گی

خموش کیوں ہے ظلم پر
لہو کی آنچ تیز کر

یہ ظلم و جور تا بکے
اُٹھ اور توڑ چوب نے
اٹھا کے پھینک جام و مئے

جلا دکانِ شیشہ گر
لہو کی آنچ تیز کر

خرد کا راز دار بن
نقیب نو بہار بن
اٹھ اور شہریار بن

مٹا نظام ہائے زر
لہو کی آنچ تیز کر

روحی کنجاہی

سوال یہ پیدا ہوتا ہے

ہم سے بھی نظر چُرا سکو گے
کیا خونِ وفا چھُپا سکو گے؟

کس کس کو کرم کی دے کے رشوت
کس کس کا مذاق اڑا سکو گے

کس کس کو تم اپنے راستے سے
پتھر کہہ کے ہٹا سکو گے

کس کس سے کرو گے شہر خالی
کس کس کا نشاں مٹا سکو گے

کس کس سے بھرو گے قید خانے
کیا ان میں نگر بسا سکو گے؟

کس کس کا کرو گے بند مُنہ تم
کس کس کا گلا دبا سکو گے!

کس کس کا کرو گے جرم ثابت
کس کس کو سزا دلا سکو گے

کس کس کا وقار چھیننے کو
قانون کا سنگ اٹھا سکو گے

کس کس کے لئے بنو گے صرصر
کس کس کا دیا بجھا سکو گے

کس کس کے لہو سے نُور لیکر
حالات پہ مسکرا سکو گے!

کس کس کے قلم کا خون کر کے
تم اپنے قصیدے گا سکو گے!

کس کس کی کرو گے بند آنکھیں
کس کس کا جہاں بجھا سکو گے

ہر ذرہ بغور تک رہا ہے
تم خود کو کہاں چھپا سکو گے

جب تک ہے جہاں میں اک بھی حق گو
کب چین سے ظلم ڈھا سکو گے

روحی کو یقین ہے اہلِ حق سے
دنیا کو تہی نہ پا سکو گے

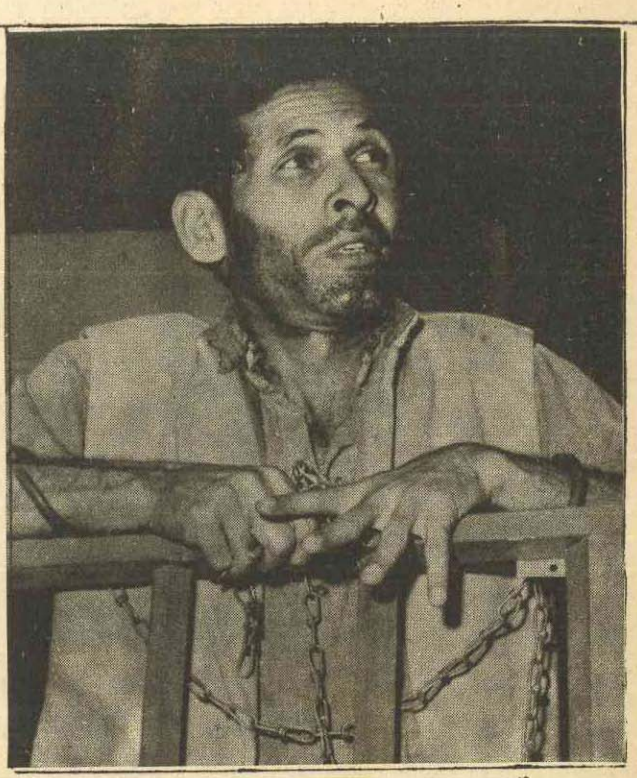

طبقاتی تضاد اور معاشرتی بے انصافی کا شکار ــــ انور
"رقص زنجیر پہن کر بھی کیا جاتا ہے"

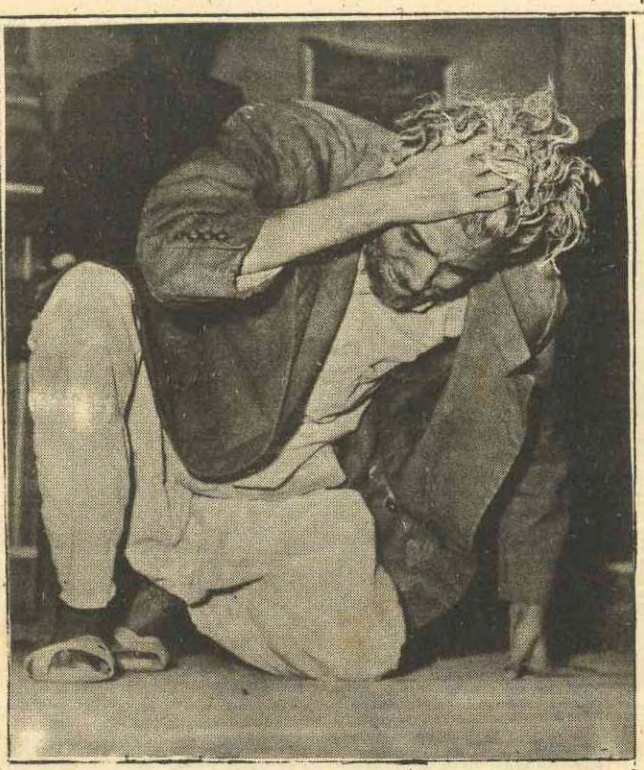

افلاس و دل شکستگی کی منہ بولتی تصویر
ــــــــ انور کا باپ

دھرتی کے ناسور

ایڈورڈز ایمپلائز یونین، پی آئی اے برانچ کے ثقافتی ذیلی ادارے "پی آئی اے ڈرامیٹک سوسائٹی" کا پیش کردہ ڈرامہ "دھرتی کے ناسور" حال ہی میں نیشنل اسٹیج کے اشتراک و اہتمام کے تحت آدمجی سائنس کالج آڈیٹوریم میں ایک بار پھر پیش کیا گیا۔

ڈرامہ "دھرتی کے ناسور" اس سے پہلے بھی چھ مرتبہ اسٹیج کیا جا چکا ہے اور عام مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ ڈرامے کے تمام مرد کردار پی آئی اے کے محنت کش شوقیہ فنکاروں نے ادا کئے ہیں۔ نسوانی کرداروں کے لئے مقامی اسٹیج اداکاراؤں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ جہاں تک موضوع کا تعلق ہے ڈرامے میں غربت اور امارت کی دیرینہ طبقاتی آویزش پیش کی گئی ہے۔

انور ایک تعلیم یافتہ بے روزگار ہے جو تلاش معاش میں سرگرداں ہے گھر یعنی جھونپڑی میں اس کی بیمار ماں ہے جس کی دوا مہیا کرنے کی ذمہ داری انور کے کاندھوں پر ہے، جوان بہن ثریا ہے جس کی شادی کا بوجھ اس کے سر پر ہے، اور زمانے کے سرد و گرم دیکھتے ہوئے بوڑھا باپ ہے جو اپنے غموں کو شراب کے نشے میں ڈبوئے رکھتا ہے۔ ایک دن انور نوکری کی تلاش میں ناکام ہو کر افسردہ و مایوس گھر واپس آتا ہے جہاں بیٹا اور باپ مل کر جذباتی مکالموں کے ذریعے اپنے دکھوں کا سبب اور ان کا مداوا تلاش کرتے ہیں۔ باپ انور کو بتاتا ہے کہ دکھوں کا سبب جھونپڑی کی پشت پر بنی ہوئی عظیم الشان کوٹھی میں رہنے والا سیٹھ اور اس کا طبقہ ہے، جس کی تجوریاں دولت سے بھری ہوئی ہیں۔ جسے اس جھونپڑی میں رہنے والوں کے دکھ نظر نہیں آتے، بے روزگار انور نظر نہیں آتا، انور کی بیمار ماں نظر نہیں آتی۔ اسے نظر آتی ہے تو صرف انور کی جوان بہن اور جو اس وقت بھی دولت شراب اور حسن و جوانی کے نشے میں غرق رنگ رلیاں منا رہا ہوگا۔ انور فرط غضب میں لپکتا ہوا سیٹھ کے کمرے میں داخل ہوتا ہے، جہاں سیٹھ ایک رقاصہ کے ساتھ محو عیش ہے۔ انور سیٹھ سے دولت حاصل کرنا چاہتا ہے اور سیٹھ اس کشمکش میں انور کے چاقو سے مجروح ہو کر دم توڑ دیتا ہے۔

انور واپس اپنی جھونپڑی میں آتا ہے جہاں اس کی بوڑھی بیمار ماں

پیشکش ـــــ نیشنل اسٹیج بہ تعاون پی آئی اے ڈرامیٹک سوسائٹی، ایرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ، کراچی،

تحریر ـــــ اے یو فاروقی

ہدایات و نگرانی ـــــ ایس ایم تقی

کردار

۱- سلیم رانا ـــــ	اجنبی بوڑھا ـــــ	انجینئرنگ	
۲ ایس ایم تقی ـــــ	انور ـــــ	اکاؤنٹس	
۳- اظہار مصطفیٰ نقوی ـــــ	باپ ـــــ	آڈٹ	
۴- نجم الحسن ـــــ	رمجو ـــــ	انجینئرنگ	
۵- اے۔یو۔فاروقی ـــــ	سیٹھ، پاگل خانے کا ڈاکٹر ـــــ	"	
۶- عباس جعفری ـــــ	پولیس انسپکٹر ـــــ	فیلڈ سروس	
۷- ثناء اللہ فاروقی ـــــ	پولیس کانسٹبل ـــــ	انجینئرنگ	
۸- نوشاد فیروز ـــــ	پاگل مچھیرا ـــــ	"	
۹- شمیم دیپک ـــــ	پاگل فلسفی ـــــ	ورکس	
۱۰- شمیم ـــــ	پاگل سائنسداں ـــــ	میڈیکل	

نسوانی کردار

۱- چندا ـــــ	ماں ـــــ	اسٹیج فنکارہ	
۲- للی سالومن ـــــ	ثریا ـــــ	"	
۳- نور رشید جبیں ـــــ	آمنہ ـــــ	اسٹیج۔ٹی وی	
۴- الماس ـــــ	شیریں رقاصہ ـــــ	اسٹیج	

۱۱- علی محمد ـــــ	پاگل عاشق ـــــ	انجینئرنگ	
۱۲- اجمل ـــــ	پاگل چڑیمار۔کورٹ کا پینکار	"	
۱۳- فیض ـــــ	پاگل شہنشاہ ـــــ	"	
۱۴- وجاہت بیگ ـــــ	جج ـــــ	ایڈمنسٹریشن	
۱۵- سلامت اللہ خان ـــــ	وکیل صفائی ـــــ	پرسنل برانچ	
۱۶- محمد احسان ـــــ	وکیل سرکار ـــــ	انجینئرنگ	

موت کی آغوش میں سو جاتی ہے۔ انور نیم دیوانہ ہو جاتا ہے اور اسی اثنا میں پولیس آکر انور کو گرفتار کر لیتی ہے، انور پر قتل کا مقدمہ چلتا ہے جہاں وہ ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہے، اور اس کا سبب بیان کرنے کے لئے جذباتی تقریر کرتا ہے۔ اس پر دل کا دورہ پڑتا ہے اور اس سے پہلے کہ جج مقدمے کا فیصلہ سنائے انور گرتا ہے اور دم توڑ دیتا ہے۔ اس کا بوڑھا باپ اس کی لاش پر پچھاڑیں کھاتا ہے اور معصوم بہن اس سے لپٹ کر روتی ہے۔

مجموعی طور پر ڈرامہ جذباتی انداز میں آگے بڑھتا ہے اور ناظرین کی آنکھیں ڈرامے کے مختلف درد انگیز مناظر پر نم ہو جاتی ہیں، اداکاری میں بوڑھے کے کردار میں اظہار مصطفیٰ نقوی اور بیٹے کے کردار میں ایس ایم تقی سر فہرست ہیں اظہار مصطفیٰ نقوی کی اداکاری بناوٹ سے پاک بے ساختہ اور فطری ہے اور اس نے اداکاری میں شروع سے آخیر تک یکساں بلند معیار قائم رکھا ہے ہیرو کے کردار میں ایس ایم تقی نے بھی مؤثر اور قابل تعریف اداکاری کی ہے تقی نے اپنے کردار میں ڈوب جانے کی پوری پوری کوشش کی۔ اور کہیں کہیں تو تقی جذبات میں اس حد تک ڈوب جاتا ہے کہ اسے اپنی آواز پر بھی قابو نہیں رہتا اور شاید وہ بھی اداکار ہونے کے باوجود مسائل کی شدت سے اس حد

"بے بس اہل ہوس مدعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں"
انور۔ ملزموں کے کٹہرے میں۔ پیشکار اور وکیل سرکار

گواہ استغاثہ ـــ رقاصہ شیریں اور وکیل صفائی

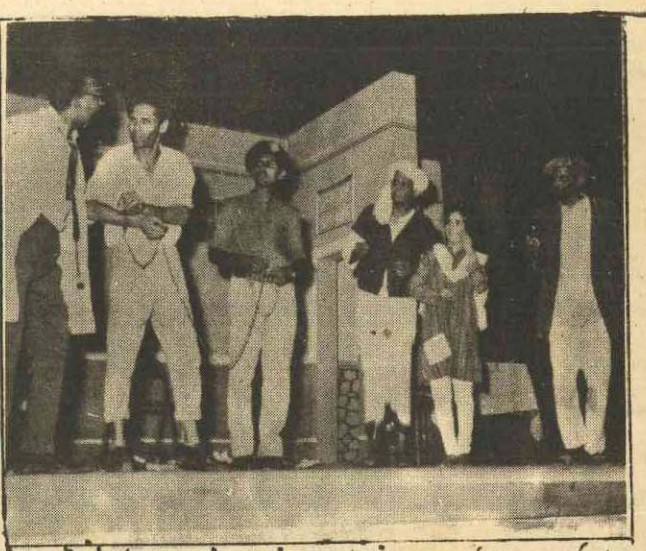

داسیں سے بائیں :۔ انور کا باپ، ثریا، رمجو چاچا، کانسٹیبل انور، پاگلوں کا ڈاکٹر

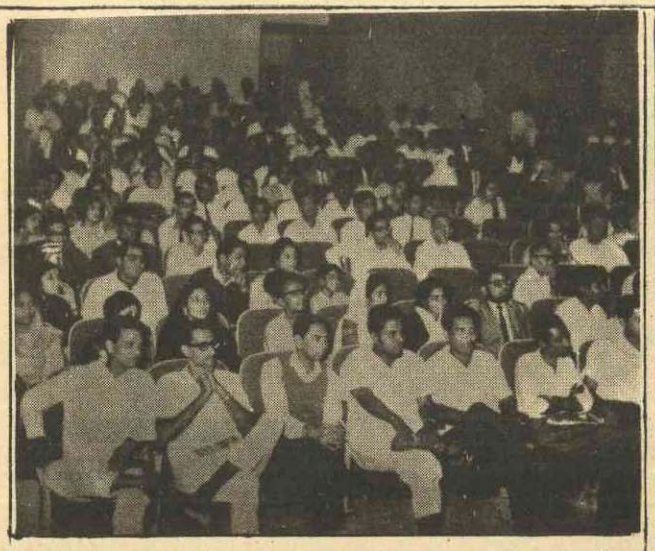

مجمع ناظرین

تک متاثر ہو جاتا ہے کہ اصل و نقل کا فرق فراموش کر بیٹھتا ہے۔

پی آئی اے کے دونوں مایہ ناز ابھرتے ہوئے فنکار اپنی اپنی اداکاری میں کچھ ایسی پختگی اور اصلیت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ان میں اولیت کے حساب سے فرق و تمیز کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، دونوں کی اداکاری ایک دوسرے سے صحت مند مسابقت کی آئینہ دار ہے اور اس مثبت پہلو کی وجہ سے ڈرامہ کا معیار بہت حد تک اونچا ہو گیا ہے۔

نسوانی کرداروں میں للی کی اداکاری اچھی اور انور کی ماں کے کردار میں چندا کی اداکاری گوارا ہے۔ انور کی محبوبہ کا کردار اول تو خالص بھرتی کا کردار ہے، جس کا کہانی میں محض پیوند لگایا گیا ہے۔ دوسرے اس کردار میں خورشید جبیں نے انتہائی بے ہنگم اداکاری کی ہے، اس کا ہر انداز ذوق لطیف کو مجروح کرتا ہے وہ کسی طرح بھی ایک جھگی نشین غریب لڑکی نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس کی عشوہ طرازیاں اس سنجیدہ ڈرامہ پر بدنما داغ ہیں۔ ایسی اداکاراؤں کا کسی باوقار اسٹیج پر پیش کیا جانا فن اور اسٹیج کی کھلی توہین ہے اور ایسی غلطی ہے جسے ناظرین ایک بار سے زیادہ معاف کرنے کیلئے تیار نہ ہوں گے۔ نسوانی کرداروں میں صرف للی نے اپنے کردار کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے اور ناظرین کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ چندا کے ساتھ ایک زیادتی اس کا ناقص میک اپ بھی تھی جس میں وہ کسی طرح بھی ایک ضعیف عورت نظر نہ آتی تھی خصوصاً سفیدی مائل بالوں کے ساتھ اس کے مضبوطی سے جڑے ہوئے دانت تو بالکل ہی بے میل لگتے تھے۔ پاگل خانے کے ڈاکٹر کے رول میں اے یو فاروقی تھے جو اس ڈرامے کے مصنف بھی ہیں۔ موصوف نے اپنا کردار بڑی خوبی کے ساتھ نبھایا ہے۔ حالانکہ ان کا رول بہت کم ہے لیکن اس کے باوجود تماشائیوں کے ذہن پر ایک دیرپا تاثر چھوڑتا ہے۔

اضافی کرداروں میں فقیر کے مختصر کردار میں سلیم رانا نے جان ڈال دی تھی۔ پاگلوں میں تقریباً سب نے ہی اچھی اداکاری کی خصوصاً علی محمد اور نوشاد فیروز مزاح میں کوئی نیا پن نہیں تھا، بلکہ پرانے لطیفوں کو مختلف طریقوں سے کھپایا گیا تھا اس کے باوجود فنکاروں کی بے ساختہ اداکاری نے بے لطفی نہ محسوس ہونے دی۔ یہاں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس سین میں موجودہ معاشی اور سیاسی موضوعات پر ایک نوکیلے انداز میں عوامی احساسات کی ترجمانی کیجا سکتی ہے۔

مجو چاچا کے کردار میں نجم الحسن کی اداکاری ٹھیک رہی۔ سیٹھ کے رول میں بھی فاروقی ہی تھے۔ یہاں بھی انہوں نے اپنے معیار کے مطابق اچھی اداکاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ شیڈو پلے تیکنک کے استعمال نے سیٹھ کی بدمستی کے تاثر کو اور بھی نمایاں اور اجاگر کر دیا۔

الماس بیحیثت ڈانسر بس اسٹیج پر آئی اور چلی گئی اس نے نہ تو اداکاری کی زحمت کی نہ اس پر تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔ دیگر اداکاروں کی اداکاری بھی گوارا تھی۔

جہاں تک ہدایت کاری کا تعلق ہے مجموعی طور پر ٹھیک تھی تاہم بعض جگہ ایسی بنیادی غلطیاں کی گئی تھیں۔ جنہوں نے انگشت نمائی کا موقعہ دیا الماس ڈانسر اور خورشید جبیں کو تو شاید ہدایات دی ہی نہیں گئی تھیں۔ پولیس مین کے کردار کیلئے دبلے پتلے پستہ قامت ثناء اللہ فاروقی کا انتخاب ہدایت کاری کی غلطی تھی، ایک موقعہ پر انور اور اس کا باپ جہاں اپنے دکھوں کی بات کر رہے ہیں انور اپنی جیب سے چھ انچ لمبی چھری نکال کر اسے اپنے ہاتھ پر پھیرتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انور جیسا تعلیم یافتہ، اعلیٰ خیالات کا مالک اور نیک لڑکا اپنی جیب میں چھری کیوں لئے پھرتا ہے؟ عدالت کے مناظر میں ہدایت کار عدالتی قواعد اور کارروائیوں سے ناواقف محسوس ہوتا ہے۔ استغاثہ پیش ہی نہیں کیا جاتا۔ ملزم کٹہرے میں جس باغیانہ انداز سے کھڑا ہوتا ہے۔ جج صاحب اس ضمن میں جس بے تعلقی اور چہرے کے سپاٹ پن کا اظہار کرتے ہیں اس کی عدالت کا مروجہ وقار کبھی اجازت نہیں دیتا۔

البتہ طوفان اور بارش کا منظر خوش اسلوبی سے اور قابل تعریف انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ سیٹھ کے کمرے میں انور اور سیٹھ کی کشمکش شیڈو پلے میں عمدگی سے دکھائی گئی ہے اور اس تیکنک کا اچھا استعمال کیا گیا ہے۔

سیٹنگس اچھی ہیں۔ جھونپڑی کے پس منظر میں عالی شان کوٹھی معاشرہ کے ایک تکلیف دہ طبقاتی تضاد کو اچھے انداز میں سامنے لاتی ہے البتہ ایک خامی کھٹکتی ہے کہ رات کے وقت بھی کوٹھی کی کھڑکیاں تاریک ہی رکھی جاتی ہیں حالانکہ ہدایت کار کی ایک معمولی توجہ انھیں روشن کر سکتی تھی۔ اور

اس سے منظر حقیقت سے قریب ہو جاتا۔

آخر میں کہانی پر آیئے۔ کہانی کا موضوع اس اعتبار سے پرانا ہے کہ جدید ادب میں امیری اور غریبی کے تضاد کے موضوع پر بے شمار چیزیں سامنے آچکی ہیں اور اس اعتبار سے نیا ہے کہ اس میں اصل مسئلہ سامنے رہتا ہے اور تماشائیوں کے دل حدیث لب و رخسار سنکر دھڑکنے کے بجائے روئداد غم جہاں سے متاثر ہو کر تڑپتے ہیں۔ معاشرتی ناہمواریوں کے جیتے جاگتے نمونے دیکھکر حساس ذہن جس کرب و اضطراب اور بے چینی کا اظہار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں وہ تماشائیوں کے سہمے ہوئے چہروں اور بھیگی ہوئی آنکھوں بھینچی ہوئی مٹھیوں اور لرزتے لبوں کی شکل میں صاف طور پر جھلکتا ہے۔

ڈرامے کا ابتدائی سین سماج کے عام حالات کی عکاسی کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوتا ہے۔ پڑھا لکھا اور عام مطالعے سے دلچسپی رکھنے والا انور اُن ان گنت بیروزگار نوجوانوں کی علامت ہے جو مسائل کا احساس تو رکھتے ہیں مگر مسائل کے حل سے ابھی تک بے خبر ہیں۔ طبقاتی سماج سے ابھرنے والے مسائل کی چکی کے دو پاٹ جس طرح سے انور جیسے ایماندار اور بے داغ کردار کے حامل نوجوانوں کو صبح سے لیکر شام تک پیستے ہیں اس کا مشاہدہ اس اسٹیج پر بھی بڑی باریکیوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے، ساتھ ہی ساتھ اس ڈرامے کے آخری سین میں انور کے کچے اور سیدھے سادے ذہن کو تلخ حقائق کی سنگین دیواروں سے ٹکرانے کے بعد مطلوبہ پختگی اختیار کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور اس احساس کو اجاگر کیا گیا ہے کہ جب تک سماج کا پورا ڈھانچہ جوں کا توں قائم رہے گا اس وقت تک یہ مسائل، یہ حادثات، یہ ناہمواریاں اور یہ پیچیدگیاں پوری شدت کے ساتھ موجود اور قائم رہیں گی بلکہ ان میں مزید اضافہ اور پیچیدگی پیدا ہوگی۔

ڈرامے میں یہ بات اچھی طرح واضح کر دی گئی ہے کہ ان مسائل کا حل نہ تو ہے، نہ تھا اور نہ ہونا چاہیئے جو انور جیسے مغلوب الجذبات نوجوان نے اختیار کیا۔ عدالت کے سین میں انور کے منہ سے نکلنے والے الفاظ یوں تو بظاہر ایک مجرم کے الفاظ ہیں مگر درحقیقت یہ ایک چوٹ کھائے ہوئے دل اور ایک کچلے ہوئے ذہن کی وہ خاموش للکار ہے جو چیخ چیخ کر اس معاشرے کے ناخداؤں سے صورت احوال کی اصلاح کا مطالبہ کرتی ہے۔ مجرم مجرم نہیں رہتا بلکہ ایک تڑپتی ہوئی رُوح کی شکل میں تماشائیوں کی دلی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انور کو شدید ترین دل کے دورے کا نشانہ بنا کر عدالت اپنے بندھے ٹکے قانون کی روایتی تعمیل کرتے ہوئے اس مجرم کو روایتی انداز میں پھانسی کی سزا دینے سے بچا لی جاتی ہے۔ حالانکہ شب و روز دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ انور جیسے معصوم مجرموں کو طبقاتی معاشرے کی عدالتوں میں مروجہ قوانین کے مطابق پھانسی کی سزائیں دے کر اصلی اور منصفانہ انصاف سے محروم کیا جاتا ہے۔

بہرحال ان چند نقائص کے باوجود مجموعی طور پر دھرتی کے ناسور ایک سچ کا میاب پیش کش ہے زیر قلم تنقید میں صداقت کا احترام کرتے ہوئے سخت انداز اختیار کرنیکا سبب ڈرامے کے پیشکاروں کو عوامی اور مزدور نقطۂ نظر سے آگاہ کرنا ہے۔ تاکہ آئندہ وہ اگر یہ ڈرامہ اسٹیج کریں تو ان خامیوں کو رفع کر لیں جو ڈرامے کے معیار کو مجروح کر رہی ہیں اور مناسب تبدیلیاں کر کے اسے زیادہ بہتر تعمیری انداز دے سکیں۔

الیکٹرک موٹرز۔ سوئچ اسٹارٹر
پمپنگ سیٹ۔ جنریٹنگ و
دیگر متعلقہ مشینری کیلئے رجوع فرمائیں
کریسنٹ انجینئرز
بالمقابل سندھ مدرسہ ٹاور، فریئر روڈ۔ کراچی،
فون نمبر:۔

.... اور انہوں نے کہا
ہم ادیب، اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ دنیا کا ہر مسئلہ گفت و شنید اور افہام و تفہیم کے ذریعے حل ہو سکتا ہے۔ ہم امن سے محبت کرتے ہیں، کوئی ہمارے منہ پر تھوکے گا تو بھی خاموش رہیں گے۔ کوئی تلوار اٹھائے گا تو ہم سر جھکا دیں گے، ہم اندھے، بہرے اور گونگے ہیں .....
اور وہ اپنا تھوک آپ چاٹنے لگے!

ہم کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے

ہم جنگ سے نفرت کرتے ہیں،
ہمیں امن سے محبت ہے
ہم عالمی اُخوت پر ایمان رکھتے ہیں،
جنگ اندھیرا ہے اور امن روشنی،
جنگ میں آنسو کے زخم ہیں اور امن میں دھنک کے رنگ،
جنگ ظلم کا نام ہے اور امن پیار کا،
جنگ بہت بھیانک لفظ ہے اور امن بہت سجیلا،
امن کیسے قائم ہوگا؟ کسان بھوکا ہے،
وہ بھوکا نہیں رہے گا، ہم اپنے پہلے پانچ سو سالہ منصوبے کے تحت زمینداروں سے مذاکرات کریں گے۔
اگر وہ نہیں مانے تو؟
تو ہم ان مذاکرات کو اپنے دوسرے پانچ سو سالہ منصوبے میں شامل کریں گے!
مزدور ننگا ہے!
وہ ننگا نہیں رہے گا، ہمارا تیسرا پانچ سو سالہ منصوبہ اس کے لئے وقف ہوگا، ہم مل مالکوں سے بات کریں گے۔
اگر وہ نہیں مانے تو؟
تو ہم اپنے چوتھے پانچ سو سالہ منصوبے میں انھیں ضرور قائل کر دیں گے، ہم ایک لمحے کے لئے بھی میز سے نہیں اٹھیں گے۔
بہت سے ملک غلام ہیں!
وہ غلام نہیں رہیں گے، ہم اپنے پانچویں منصوبے کے تحت پانچ سو سال تک غاصب ممالک سے گفت و شنید اور افہام و تفہیم کریں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم ایک نہ ایک دن انھیں مجبور کر دیں گے ـــــ اب آؤ اپنے دشمنوں کے ہاتھ چومیں۔!
لیکن ان کے ہونٹوں پر تو ہمارا لہو جگمگا رہا ہے۔
بھول جاؤ، سب کچھ بھول جاؤ، ہمیں امن کا گیت گانا ہے، جنگ بہت بھیانک لفظ ہے، امن میں دھنک کے رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔

دشمنی ختم ہوئی، امن کا سودا ہوا

"یہ میز ہماری دوستی کی علامت ہے!"
"گلے میں بانہیں ڈال کر مسکراؤ"
"ہم جنگ سے نفرت کرتے ہیں"
"ہم بھی جنگ سے نفرت کرتے ہیں!"
"ہم امن سے محبت کرتے ہیں"

احفاظ الرحمٰن

"ہم بھی امن سے محبت کرتے ہیں"

"ہم اپنے ہتھیار پھینکتے ہیں"

"ہم بھی اپنے ہتھیار پھینکتے ہیں!"

"ہم اخوت کے سوداگر ہیں، جنگ بہت بھیانک لفظ ہے، آؤ ایک گڑھا کھودیں اور اسے اس میں دفن کردیں!"

"ہم تمہیں ایک ٹن امن دیتے ہیں، تم ہمیں ایک ٹن اخوت دو!"

"ہم تمہارے معاملات میں دخل نہیں دیں گے، تم ہمارے کمرۂ شب خوابی میں نہیں گھسو گے۔"

"تم اپنے سیاہ و سفید کے مالک ہو، ہم اپنے سیاہ و سفید کے مالک ہیں"

"ہم تمہارا ظلم نہیں دیکھیں گے۔"

"ہم تمہاری لوٹ کھسوٹ کے خلاف آواز نہیں اٹھائیں گے۔"

"ہم خاموش رہیں گے، زبان فساد کی جڑ ہے۔ ہم اپنی زبانیں کاٹ لیں گے! نہ ہم بولیں گے، نہ جنگ ہوگی!"

"ہم تمہارے ماتھے پر، امن، شانتی، اہنسا، کا لیبل لگا دیتے ہیں، تم ہمارے ماتھے پر لگا دو۔"

"سودا پکا ہے؟"

"ہاں پکا ہے!"

"اسے گھولو"

"یہ کیا ہے؟"

"امن کا پہلا قاعدہ ـــ ہمارا صحیفہ، آؤ اسے رٹیں"

و	سے	افہام و تفہیم
ب	سے	بقائے باہمی
پ	سے	پانچ سو سالہ منصوبہ
ت	سے	تھوک
چ	سے	چاٹنا
خ	سے	خاموشی
س	سے	سمجھوتہ
م	سے	میز
گ	سے	گفت و شنید

حق نہ مانگ۔ ناک کٹا۔ میز پہ بات کر۔ وہ اپنا تھوک چاٹتا ہے۔ زبان فساد کی جڑ ہے۔ اس نے تھپڑ لگایا۔ میں نے ہاتھ جوڑا۔ یہ دشمن کی خالہ ہے۔ اس کو سلام کر۔

"سبق یاد ہوگیا؟"

"ہاں یاد ہوگیا"

"تو پھر آؤ، اپنی دوستی کا نعرہ لگائیں۔ ہماری زبانیں؟"

"مردہ باد"

"ہماری خاموشی؟"

"زندہ باد"!

"آؤ ایک بار پھر گلے لگ جائیں ـــ تم اپنا تھوڑا سا تھوک ہمارے چہرے پر لگاؤ! ہم اپنا تھوک تمہارے چہرے پر لگاتے ہیں"

"ہم پر امن بقائے باہمی کے علمبردار ہیں!"

پُر امن بقائے باہمی کا فلسفہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام مسائل باہمی گفت و شنید کے ذریعہ حل ہو سکتے ہیں۔

درحقیقت اس فلسفے کے ذریعے طبقاتی جدوجہد کی تاریخ سے انحراف کیا جا رہا ہے۔ اس بنیادی صداقت سے روگردانی کی جا رہی ہے کہ دنیا کے تمام امتیازات طبقاتی کشمکش کی پیداوار ہیں۔ اور یہ کہ دنیا کے تمام اختلافات، نفرتیں اور کدورتیں اس وجہ سے ہیں کہ ایک طبقہ دوسرے طبقے کا استحصال کرتا ہے اور اس کی خوشیوں کا گلا گھونٹتا ہے۔ ہتھیاروں کو سمندر کی گہرائیوں میں دفن کر دینے سے انسان کے ہاتھوں انسان کا استحصال ختم نہیں ہوگا، ظلم اور لوٹ کھسوٹ کے بنیادی محرکات جوں کے توں برقرار رہیں گے، اور یہ بات بھولنی نہیں چاہیئے کہ ظلم کے ان محرکات ہی کا دوسرا نام جنگ ہے۔ ہمارا اصل مقصد طبقاتی تفریق کو دفن کرنا ہے، ہتھیار ہمارے دشمن نہیں، دوست ہیں، اس لئے کہ ہم انھیں کے ذریعے استحصالی قوتوں کو فنا کر دیں گے۔ ان قوتوں کی موت کے بعد جو معاشرہ وجود میں آئے گا، وہی دائمی امن کا ضامن ہوگا۔

مختلف طبقاتی معاشرے میں مختلف قسم کے رجحانات اور نظریات پیدا کرتے ہیں۔ مختلف رجحانات اور نظریات اس کشمکش کا سبب بنتے ہیں جس کی آخری کڑی جنگ ہے۔ اگر ہم جنگ کے اسباب کا خاتمہ چاہتے ہیں تو ہمیں معاشرے کے مختلف اور متضاد رجحانات اور نظریات کا گلا گھونٹنا ہوگا اور یہ اسی صورت میں ہو سکے گا جب معاشرے کی موجودہ طبقہ داری تقسیم ختم ہو جائے اور استحصالی طبقے فنا ہو جائیں۔ استحصالی طبقے کو فنا کرنے کے لیے ہمیں ہتھیار اٹھانے ہیں اسی لئے ہم ان ہتھیاروں سے محبت کرتے ہیں۔ استحصالی طبقے ہمارے دشمن ہیں ہم ان سے کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ ان سے سمجھوتہ کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان کے وجود کو تسلیم کر لیا ہے جبکہ ہم ان کی موت کے طلبگار ہیں۔ ہم کسی میز کے قائل نہیں، اگر ہم اس میز کے قائل ہوگئے۔ تو گویا ہم نے اپنے دشمنوں سے کہہ دیا ـــ "آؤ، ہمارے منہ پر تھوکو، ہماری زبانیں کاٹ لو۔ ہم کچھ نہیں بولینگے ہم اپنی سنگین اور اپنا قلم دفن کر چکے ہیں، ہم کچھ نہیں بولیں گے، کچھ نہیں سنیں گے، کچھ نہیں دیکھیں گے۔ ہم اندھے، بہرے اور گونگے ہیں"!

سامراجی ممالک نے پوری دنیا کے گرد اپنے مفادات کا جال بن رکھا ہے، وہ ہر سرزمین پر اپنے مکروہ نظریات کا علم نصب کرنا چاہتے ہیں۔ سامراجی شطرنج پر مختلف ممالک کے مُہرے پڑے ہوئے ہیں وہ جس کو چاہتے ہیں، ہٹا دیتے ہیں ویت نام، کوریا، کشمیر، فلسطین، انڈونیشیا، لاؤس، کانگو، نائجیریا، چیکوسلواکیہ، زمین کے سینے پر لاتعداد پھوڑے نکلے ہوئے ہیں۔ لیگ آف نیشنز اور یو این او مذاکرات کا کاروبار کرتی رہیں۔ لیکن چونکہ ان کے سکے کھوٹے تھے اس لئے ان کی دکانوں کا دیوالیہ نکل گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہابیل سے لیکر جانسن تک، دو قومیں ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہی ہیں، ان میں سے ایک قوت انسان دوست ہے اور دوسری انسان دشمن، طبقاتی تاریخ کے ہر صفحے پر یہ دونوں قوتیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑی ہوئی ہیں۔ انسان دشمن قوتیں مختلف ادوار میں مختلف روپ بدل کر ہمارے سامنے آتی رہی ہیں، اور انسان دوست قوتوں نے ہمیشہ ان

سے جہاد کیا ہے اور فتح پائی ہے۔ ان دونوں قوتوں کا ملاپ آگ اور پانی کا ملاپ ہے۔ دنیا کی تمام برائیاں تمام کمینگیاں انسان دشمن طبقوں کی پیداوار ہیں، اونچ نیچ کے تمام معیار ان کے گڑھے ہوئے ہیں۔ اور انسان دوست طبقے اونچ نیچ کے جھوٹے معیار کے قائل نہیں ہیں۔ اسی لئے وہ اس معیار کو فنا کرنے کے لئے اپنے سچے جذبوں کے ساتھ انسان دشمن طبقوں سے سینہ سپر ہوتے رہے ہیں۔ ان دونوں طبقوں کا ٹکراؤ طبقاتی تاریخ کی ایک ناگزیر حقیقت ہے۔ اس ٹکراؤ سے جو زیاں ہوتا ہے وہ پاؤں کی زنجیر نہیں بن سکتا، اس لئے کہ اس قربانی کے بعد جو معاشرہ وجود میں آتا ہے، اس میں طبقاتی تفریق نہیں ہوتی، چھوٹی بڑی کمینگیاں اور برائیاں نہیں ہوتیں اور اونچ نیچ کا جھوٹا معیار نہیں ہوتا، امتیاز و تفریق کے یہ جھوٹے معیار جب ختم ہو جاتے ہیں تو انسانی سماج میں ایک یکسانیت پیدا ہوتی ہے، یہی یکسانیت انسانی مزاج میں یک رنگی پیدا کرتی ہے، اور مزاج کی اسی یک رنگی کا نام امن ہے۔ تو یہ جنگ، جو انسان دوست طبقہ، انسان دشمن طبقے کے خلاف لڑتا ہے، دائمی امن کا ماحول پیدا کرتی ہے۔ اس جنگ کے بغیر امن کا دائمی ماحول کبھی نہیں قائم ہوگا۔ یہ جنگ ناگزیر ہے اور اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ استحصالی طبقے نیست و نابود نہیں ہو جاتے۔ یہ مقصد افہام و تفہیم اور گفت و شنید کے ذریعے ہرگز حاصل نہیں ہوگا، اس مسئلے کا واحد حل سنگین کی نوک ہے۔

استحصالی طبقوں کے سینوں میں نفرت کی آگ سلگ رہی ہے۔ جو خود بخود کبھی نہیں بجھے گی، ہم اس بات پر اس لئے یقین رکھتے ہیں کہ ہم اس سائنسی دور میں سانس لے رہے ہیں۔ جبکہ ہمارے سامنے گزشتہ صدیوں کا تمام علم بکھرا پڑا ہے۔ تاریخ کا ہر صفحہ ہمارے سامنے عریاں ہے، اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہزاروں سال گزر گئے، یہی رواج چلا آتا ہے کہ محنت کش طبقہ استحصالی طبقے کے مفادات کی بھٹی کا ایندھن بنتا ہے۔ آقا نے غلام کی کھال کے جوتے پہنے، جاگیردار نے کسان کو فاقوں کی سولی پر چڑھایا اور آج اس دور میں، علم و اذکار اور شعور و آگہی کے اس دور میں سرمایہ دار مزدور کی لاش پر اپنی مکروہ خواہشات کی عمارت کھڑی کر رہا ہے۔ اس عمارت کو گفت و شنید اور افہام و تفہیم سے نہیں ڈھایا جا سکتا۔ اس لئے کہ اس کی بنیادوں میں نفرت اور ظلم کا سیسہ بھرا ہوا ہے۔ انسان دشمن طبقے اور انسان دوست طبقے کے درمیان اگر کوئی مشترکہ قدر ہے تو وہ چہرے کا تھوک ہے اور اس مشترکہ قدر پر ایمان لانے سے پہلے زبانیں کاٹ کر پھینک دی جاتی ہیں۔

شعور و آگہی کے اس دور میں جو شخص پر امن بقائے باہمی کا قائل ہے وہ گویا اپنی زبان کاٹ کر پھینک دیتا ہے۔

"میں امن سے محبت کرتا ہوں، تم میرے چہرے پر تھوکو گے تو بھی خاموش رہوں گا، میں جنگ سے نفرت کرتا ہوں، میں اپنی سنگین اور اپنا قلم دفن کر چکا ہوں۔"!

"میں تمہیں امن کے پھول پیش کرتا ہوں، تم زمین کو آگ کا گلزار بناؤ۔"

امن مذاکرات کی میز پر قائم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ میز پر جو کاغذات پھیلے ہوئے ہیں، ان پر تو امن کی چھاپ لگ سکتی ہے لیکن اس کے باہر جو مادی اسباب موجود ہیں وہ صدیوں سے باہم دست و گریباں ہیں جب تک ان کی جنگ رہے گی، امن قائم نہیں ہوگا۔ جہاں سامراجی نظریات کا علم نصب ہے، وہاں ظالم سائے بڑھ رہے ہیں اور پھیل رہے ہیں وہ اس وقت تک بڑھتے اور پھیلتے رہیں گے، جب تک کہ ان کے آگے سنگینیں نہیں کھڑی ہوں گی جنگ ناگزیر ہے اور جو شخص اس جنگ کے مقابلے میں امن کا نظریہ پیش کرتا ہے، وہ طبقاتی کشمکش کی بنیادی حقیقت سے انکار کرتا ہے اور محنت کش طبقے کا دشمن ہے۔

ہمارے معاشرے میں مختلف طبقات کے درمیان امتیاز و تفریق کی دیواریں کھڑی ہوئی ہیں، جب تک یہ دیواریں باقی ہیں، جنگ کے اسباب بھی زندہ ہیں، اور جب یہ دیواریں فنا ہو جائیں گی تو جنگ کے اسباب خود بخود ختم ہو جائیں گے، یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ دیواریں ایک مخصوص طبقے کی پیداوار ہیں، اس لئے ان کو مٹانے کے لئے اس مخصوص طبقے سے قوت آزمائی ضروری ہے۔ ہم میں سے تقریباً ہر ایک نے اپنے بچپن میں وہ کہانی ضرور پڑھی ہوگی، جس میں ایک دیو ایک خوبصورت شہزادی کو اٹھائے جاتا ہے اور اسے اپنے محل میں قید کر دیتا ہے، اس دیو کی جان ایک طوطے میں ہوتی ہے۔ ایک شہزادہ ہفت خواں طے کر کے وہاں پہنچتا ہے اور اس طوطے کی گردن مروڑ دیتا ہے، دیو کی جان نکل جاتی ہے۔ تو ان دیواروں کی جان بھی اس استحصالی نظام میں ہے۔ جس کے تحت ایک طبقہ دوسرے طبقے کی خوشیاں اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ جب اس استحصالی نظام کی گردن مروڑ دی جائے گی۔ تو یہ دیواریں خود بخود منہ کے بل گر جائیں گی۔ اب اگر ہم کسی خوف کے تحت دیواروں کے دیو سے سمجھوتہ کر لیں تو سوائے اس کے کیا ہوگا کہ خوشیوں کی شہزادی گھٹ گھٹ کے مر جائے، تاریخ میں آج تک ایسی کوئی مثال نظر نہیں آتی جب استحصالی طبقے نے مظلوم طبقے کو اس کے حقوق تھالی میں سجا کر پیش کر دئے ہوں، جب کہیں اور جہاں کہیں محنت کش طبقے نے غلبہ حاصل کیا ہے، اپنے قوت بازو سے حاصل کیا ہے، نئی عمارت ہمیشہ پرانے ملبے کی لاش پر کھڑی کی جاتی ہے۔

ہمیں انقلاب لانا ہے اور جنگ لڑنی ہے، اس جنگ میں جو لہو بہے گا ہمیں اس کے زیاں کی فکر نہیں، اس لئے کہ وہ مستقبل کی خوشیوں کے ماتھے پر جگمگائے گا، محنت کش کا ہاتھ بلند ہوگا، بڑھے گا، پھیلے گا اور دنیا جس پر نفرتوں کی دھوپ پھیلی ہوئی ہے اس کے سائے میں آ جائے گی۔

ہم اس لہو کے خون سے کوئی سمجھوتا نہیں کریں گے۔
ہم کس کے ساتھ سمجھوتہ کریں؟
ہم کہتے ہیں "ہمارے حقوق بحال کرو"؟
وہ سنگین اٹھا لیتے ہیں،
ہم کہتے ہیں "ہماری اجرتوں میں اضافہ کرو!"
"وہ ہمارے سینے گولیوں سے چھید دیتے ہیں۔
ہم کہتے ہیں "ہمیں روٹی دو"!
وہ ہمیں جیل کی تاریک کوٹھڑیوں میں ٹھونس دیتے ہیں۔
ہم کہتے ہیں "ہماری زمین سے نکل جاؤ"
وہ ہم پر بم برساتے ہیں،
ہم کس کے ساتھ امن کی دستاویز تیار کریں؟
ہمارے سامنے کروڑوں انسانوں کی آنکھوں میں آنسو ہیں،
ہم کس کے ساتھ سمجھوتہ کریں؟ کس کے ساتھ امن کی دستاویز تیار کریں؟
ہم ان کے امن سے نفرت کرتے تھے، ہمیں اپنے جنگ سے محبت تھی،

PROTECTION NORTH AT ALL POINTS

SEE THE DIFFERENCE WITH THE NEW FILTREX® Plastic WELDING LENS . . .

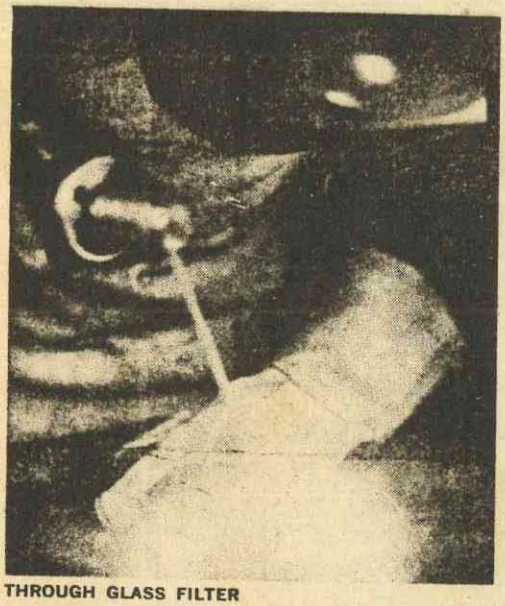

THROUGH GLASS FILTER

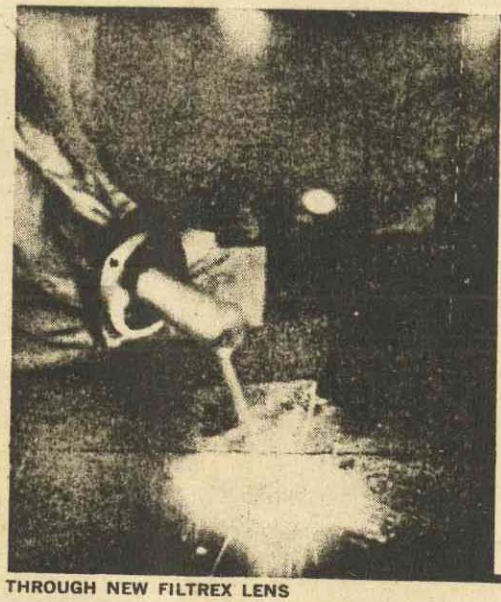

THROUGH NEW FILTREX LENS

Under strict test conditions, a normal welding operation was photographed through a conventional glass filter and through a Filtrex lens. Both photographs were exposed for ½ a second at f8 and developed for 30 minutes at 68° F. See how much more can be seen through the Filtrex lens. See more of the job — safely with the new Filtrex.

FILTREX®

Made from a newly developed thermoplastic, resulting from three years of research and development, new Filtrex outperforms, outlasts and outdates all ordinary glass filters. Fully approved and "Kite-marked" by the British Standards Institute. Available in Shade Nos. 8-13.

LIGHTWEIGHT SHATTERPROOF

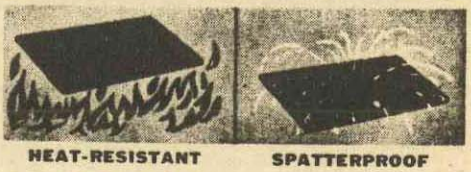

HEAT-RESISTANT SPATTERPROOF

NORTH

JAMES NORTH (AUST.) PTY. LTD.
Trafalgar Street, Annandale, N.S.W.

Sole Agents in Pakistan

TRADEWAYS LIMITED

29-A South Central Avenue, Defence Housing Society,
KARACHI-4

فرید شہزاد

اندھیری رات کا مسافر

رات اندھیری ہے، گہری اندھیری بھیانک رات، دور دور تک کوئی آواز نہیں، زندگی کی کوئی حرکت کوئی ثبوت نہیں۔ پُرہول سناٹا اور بھیانک اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔ اور جب جاڑے کی کانپتی ٹھٹھرتی سسکتی طویل رات میں نیند اڑ جاتی ہے اور تنہائی کے لمحات ہوتے ہیں تو چپکے سے دھرم چند کی یاد ذہن کے دریچوں سے ابھر کر مجھے بے چین کر دیتی ہے تب میں دل میں ایک خلش، ایک سوز، ایک تڑپ سی محسوس کرتا ہوں، اور مجھے شدت سے اس کی کمی کا احساس ستانے لگتا ہے، دھرم چند کی ہر بات ہر حرکت دبلا پتلا ہلکا سا جسم میری آنکھوں میں پھیل جاتا ہے۔ اس کے نقوش اجاگر ہو جاتے ہیں۔ دھرم چند جو ایک عظیم شخصیت کا مالک ہوتے ہوئے بھی سماج اور سوسائٹی میں کوئی امتیازی مقام حاصل نہ کر سکا، گو کہ وہ اندھیروں کا ساتھی تھا، مگر اجالوں کا شیدائی تھا۔ وہ خوابوں کے جزیروں میں بھٹکتا ہوا ایک گمنام کولمبس تھا مگر حقیقت کا پرستار تھا۔ اور جب جاڑے کی طویل کانپتی سسکتی راتوں میں نیند اُڑ جاتی ہے، تو میں اس کی یادوں کو سمیٹے ماضی کی عمیق گہرائیوں میں کھو جاتا ہوں۔

ایسی ہی ایک رات تھی، جاڑے کی یخ بستہ طویل رات، بستی پر پُرہول سناٹا طاری تھا اور رات گہری اندھیری تھی۔ میں اپنے کمرے میں بستر پر لیٹا گورکی کی کتاب 'ماں' کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اچانک کھٹاک سے دروازہ کھلا۔ میں چونک پڑا، یہ دھرم چند تھا، بکھرا بکھرا پریشان سا چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ آنکھوں میں ایک تلاش، ایک تجسس تھا، اور سانس لوہار کے دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی سانسوں کے زیر و بم کو سنبھالتے ہوئے کہنے لگا؟

"شہزاد بھائی! یہ پانچ سو کے نوٹ ہیں۔ کل رجنی کی ماں کو دے دینا اور کہنا کہ رجنی کے بیاہ کے واسطے دھرم چند نے دئے ہیں۔ میں پھر ملوں گا" میں حیرت زدہ اس کے چہرے کو تکنے لگا۔ وہ روپے میرے ہاتھوں میں تھما کر ہوا کے تیز جھونکے کی طرح پیچھے کے راستے سے نکل کر گھپ اندھیرے میں تحلیل ہو گیا۔ باہر سپاہیوں کے بوٹوں اور سیٹیوں کا شور رات کی بیکراں خاموشی کو درہم برہم کر رہا تھا۔ چوکیدار چیخ رہا تھا۔ ہوشیار — جاگتے رہو — میرا ذہن تیزی سے گردش کرنے لگا۔ مختلف سوالیہ نشان بننے اور بگڑنے لگے اور میں سوچنے لگا، دھرم چند کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آ گئے، کیا اس نے چوری کی ہوگی، خون کیا ہوگا، لیکن فوراً میرا ذہن پلٹا کھاتا۔ نہیں — نہیں وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتا، وہ اتنے بڑے جرم کا مرتکب ہرگز نہیں ہو سکتا میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ تو ایک کھلی کتاب ہے وہ تو خلوص و محبت کا بھوکا ہے۔ مگر یہ روپے، سپاہیوں کی بے ہنگم آوازیں اس کا مجرم کی طرح فرار ہونا میرے لئے ایک ناقابل حل معمہ بن گیا!!!

پھر ایک ایک کر کے ماضی کے اوراق خود بخود پلٹنے لگے۔ وہ شام اور پھر اس شام کی پہلی ملاقات کے نقوش اجاگر ہو گئے۔ وہ ملاقات بھی ایک عجیب حادثہ ایک عجیب اتفاق تھا اور وہ پہلی ہی ملاقات میں بے تکلف ہو گیا، جیسے برسوں کی جان پہچان ہو۔ برسوں کا آشنا ہو۔"

ایک بیحد حسین اور خوبصورت شام تھی۔ رمنا گرین کی رونق شباب پر تھی، خوشرنگ پھول مسکرا رہے تھے۔ بھینی بھینی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ حسن تھا رعنائی تھی۔ ماحول بڑا خوشگوار تھا اور میں پتھر کی ایک بنچ پر بیٹھا سگریٹ کے مرغولوں میں کھویا خوشگوار ماحول سے لطف اندوز ہو رہا تھا کسی کی آواز نے مجھے چونکا دیا "آپ کے پاس ماچس ہوگی" میں نے ماچس اس کی طرف بڑھائی پھر قریب کھیلتی ہوئی خوبصورت بچی کو دیکھنے لگا۔ مجھے اپنی بھانجی شیریں یاد آ گئی۔ ننھی منی گڑیا سی۔ چند لمحے گزرے کہ اس نے پھر کہا کہ آپ کے پاس سگریٹ بھی تو ہوگا؟ اب کی بار میں نے سگریٹ کی پاکٹ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ صاف ستھرے کپڑے تھے، چہرے پر ہلکا میک اپ تھا، مگر آنکھوں میں ایسی چمک کہ جیسے اپنے مدمقابل کی جیب کا ایکسرے لے رہی ہو۔ لیکن مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں میں ایک کہانی، ایک پرسوز گیت پوشیدہ ہے، ایک ادھوری نامکمل سی تصویر ہے:۔

اس نے سگریٹ کا گہرا کش لیکر اپنا تعارف خود کرایا۔ میرا نام دھرم چند ہے۔ ایک بینک میں ملازم ہوں، پتاجی سیدپور میں ایک جوٹ مل کے مالک ہیں لاکھوں کی جائیداد ہے گھر میں خوشحالی ہے۔ عیش و عشرت ہے۔ لیکن پتاجی سے میرا جھگڑا ہو گیا ہے میں اپنا راستہ خود بنانا چاہتا ہوں، اپنی زندگی کو خود ترتیب دینا چاہتا ہوں۔ اس کی گفتگو کا انداز بڑا انوکھا تھا۔ اس کی باتوں میں بلا کی کشش تھی۔ ایک سحر تھا۔"

اب اس سے کہیں نہ کہیں ملاقات ہونے لگی، کبھی صاف ستھرے کپڑے پہنے رہتا تو کبھی بالکل بُری حالت میں، سوکھے بکھرے بال، چہرے پر اداسی، کھوئی کھوئی آنکھوں میں کچھ پانے کچھ کھونے کا جذبہ دھیرے دھیرے

وہ میرے قریب ہوتا گیا، مجھے بھی اس سے ہمدردی ہوگئی۔ ایک دن پوچھنے لگا۔ "شہزاد بھائی آپ اکیلے رہتے ہیں نا"؟ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

تب اور اچھا ہے۔ کیا بتاؤں یار۔ مالک مکان کمرہ خالی کرنے کو تنگ کر رہا ہے۔ بہت سمجھایا مگر مانتا ہی نہیں اور کہیں مکان بھی نہیں مل رہا ہے جھٹ میں نے کہا، فکر کیوں کرتے ہو یار، جب تک تمہیں ٹھکانے کا گھر نہ ملے میرے ہاں چلے آؤ۔ دوسرے دن ایک پرانا چمڑی بکس اور معمولی سا بستر لیکر وہ آگیا، صبح سویرے ہی گھر سے نکل جاتا اور رات گئے واپس آتا۔ کئی دنوں تک یہی حالت رہی پوچھنے پر ایک دن کہنے لگا، ترقی کی امید ہے دوست اس لئے محنت اور لگن سے کام کر رہا ہوں، اس عرصے میں کئی بار مجھ سے روپے لے چکا تھا، کبھی بچہ دیکھنے کبھی دھوبی کی دھلائی کے لئے لیکن ایک دن اس کا راز فاش ہوگیا، اور مجھے معلوم ہوگیا کہ وہ کہیں کسی بنیک میں ملازم نہیں ہے، سب بنڈل ہے، سب فراڈ ہے!!

اب وہ دن بھر کمرے میں پڑا چھت کے شہتیروں کو گھورتا رہتا۔ یا کھلی کھڑکی کی راہ سے صاف و شفاف آسمان کی نیلاہٹ کو یوں گھورتا رہتا جیسے اپنے مستقبل کا درخشاں ستارہ تلاش کر رہا ہو، صبح سویرے میرے ساتھ ہوٹل جاتا رات کا کھانا بھی ساتھ ہی کھاتا میں سمجھا اپنے پیسوں سے کھاتا ہوگا روز پیسوں کا تقاضہ کرتا جیسے اپنا حق مانگ رہا ہو، میں بھی بھلا کب تک دیتا میری بھی عارضی ملازمت تھی، میں خود پردیسی تھا، بعض وقت طبیعت جھنجھلا جاتی تو برا بھلا کہہ دیتا لیکن میری باتوں کا اس پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔ گھنٹوں خوشامدیں کرتا۔ میرا دل پگھل جاتا تو روپیہ دو روپیہ دے دیتا دن بھر غائب رہتا۔ پچہرہ دیکھتا سگریٹ پیتا۔ مہینہ ختم ہونے پر ہوٹل کا بل دیکھکر میرا سر چکرا گیا۔ جبکہ ہوٹل والے نے کہا "آپ کے بھائی کا بل"؟ ایک دن آیا کا خط اور بھانجی کی فوٹو دیکھ کر بڑے گھمبیر لہجے میں کہنے لگا، مجھے بھی اپنے گھر لے چلو نا، اماں سے کہوں گا گاجر کا حلوہ کھلائیں۔ شیریں کو اچھے اچھے کھلونے اور چاکلیٹ دلاؤں گا۔ پیار کروں گا۔ وہ ایک نئی دنیا میں کھو جاتا، جہاں ماں کی ممتا، باپ کی شفقت اور بھائی بہنوں کی بے لوث محبت ہوتی ایک بیکراں خلوص ہوتا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تیر جاتے۔ اور میں غصے میں سوچتا، کمینہ، پاجی تجھے اپنے گھر لے جاؤں۔ ابا ناراض، اماں الگ بیزار سب کہیں گے یہ نمونہ کہاں سے اٹھا لائے، پکا آوارہ اور چار سو بیس ہے۔"

ایک دن صبح سویرے آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ طاق کی صفائی کر رہا تھا پرانے اخبار اور رسالے بٹور رہا تھا۔ پوچھنے پر کہنے لگا۔ گندگی بہت ہوگئی ہے کتابیں خراب ہو جائیں گی صفائی کر رہا ہوں۔ اور جب شام کو دفتر سے آکر دیکھا تو کمرے کی اچھی طرح صفائی ہو چکی تھی، رسالے اور کتابیں غائب سوٹ کیس کھلا تھا۔ پتلون اور اوپن شرٹ ندارد۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ مگر اب کر بھی کیا سکتا تھا۔ کئی دن گزر گئے وہ نہیں آیا میں نے بھی سوچا چلو اچھا ہوا روز، روز کی مغز زنی سے چھٹکارہ ملا۔ اور میں سکون کی سانس لیکر چپ ہوگیا۔

لیکن ایک شام فیکٹری سے آکر دیکھا دروازہ کھلا تھا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ دہلیز پر قدم رکھتے ہی میرا خون کھول گیا اور میں برس پڑا کمینے بے غیرت کتابیں کیا ہوئیں۔ کس نے کہا تھا کہ ردی میں بیچ دو۔ میرا ہاتھ لہرایا اور میں نے ایک گھونسہ اس کے پچکے ہوئے گال پر جڑ دیا، اس نے کچھ نہ کہا پتھر کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ اس کی آنکھیں بھیگی بھیگی تھیں اس کی حالت بہت بدل گئی تھی۔ چہرہ اور سوکھ گیا تھا، آنکھوں کے گرد بھیانک حلقے اور گہرے ہوگئے تھے۔ جیسے کئی دنوں کا بھوکا ہو۔ کچھ دیر تک دیوار سے ٹیک لگائے اداس غمگین بیٹھا رہا۔ مجھ سے اس کی حالت دیکھی نہ گئی۔ پھر دھیرے دھیرے میری بھی آنکھیں بھیگ گئیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی جھنجھوڑ رہا ہے۔ دھرم چند بے قصور ہے، معصوم اور بے گناہ ہے۔ قصور تو اس سماج اور سوسائٹی کا ہے۔ اس سرمایہ داری کا ہے، جس میں وہ ایک زندہ لاش بنکر جی رہا ہے۔ اس سماج اور سوسائٹی کے منہ پر طمانچہ۔ تب نہ بھوک ہوگی اور نہ مفلسی۔ بھوک جو انسانیت کی سب سے بڑی شکست۔ سب سے بڑی دشمن ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑے شکست خوردہ لہجے میں کہنے لگا۔ دو دن سے کچھ نہیں کھایا ہے، ایک اٹھنی ہوگی؟ اس کی آواز میں بلا کا سوز نہاں تھا، درد اور تڑپ تھی۔ اور زندگی سے بیزاری کا زہر تھا، ایک ایسا زہر جو اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا۔ اس کی رگ رگ پے سے سرایت کر رہا تھا۔ میں نے ایک روپیہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ روپیہ دیکھکر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک عود کر آئی اور وہ بھوکے شیر کی طرح روپے پر جھپٹ پڑا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے کھٹ کھٹ کرتا زینے اتر کر چلا گیا اور میں کمرے میں تنہا بیٹھا سوچنے لگا، کس نے ایجاد کیا ہے یہ روپیہ سچ پوچھو تو جہاں سے روپے کی تاریخ شروع ہوتی ہے، وہیں سے انسانیت کے جسم پر زہر کا پہلا قطرہ پڑتا ہے اسے اپنوں کا پیار نہ ملا ماں کی ممتا، باپ کی شفقت نہ ملی، بھائی بہنوں کی بے لوث محبت نصیب نہ ہوئی، اپنوں کی بھوک، پیار و محبت کی بھوک، پیٹ کی بھوک۔ آخر یہ کب تک ان بھوکوں کا مقابلہ کرتا رہے گا۔ اس میں اتنی سکت کہاں ہے۔ یہ کیسی تڑپ، کیسی خلش ہے۔"

کچھ دیر بعد وہ مسکراتا ہونٹوں سے سیٹی بجاتا آگیا، صحن میں کھڑا گنگناتا رہا لیکن اس کی نظر پڑوسی سبزی فروش بڑھیا کی بیٹی رجنی پر تھی۔ رجنی سے اسے محبت تھی۔ اکثر باتوں باتوں میں رجنی کا ذکر بڑی دلچسپی سے کرتا اور بڑے گھمبیر لہجے میں کہتا۔ کہیں اچھی ملازمت ملتے ہی رجنی کو ہمیشہ کیلئے اپنا لوں گا وہ دن کتنے خوبصورت اور راتیں کتنی حسین ہوں گی۔ وہ حسین تصورات میں کھو جاتا۔ وہ غم کی تلخیوں کو بھول کر رجنی کی زلفوں کی چھاؤں میں سکون کا متلاشی تھا، اپنے مستقبل کو روشن دیکھنے کا متمنی تھا۔ لیکن اس کی آرزوئیں سسک کر رہ گئیں۔ شاندار مستقبل کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

میرے لاکھ کہنے کے باوجود وہ پھر آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ کافی دن ہوگئے۔ اس سے ملاقات نہ ہوئی۔ بہت تلاش کیا۔ مجھے اس کی کمی کا احساس بار بار ستانے لگا۔ آخر ایک دن ملا۔ آنکھوں کی چمک ہونٹوں کی مسکراہٹ مر چکی تھی۔ رہ رہ کر کھانسی کا دورہ پڑ رہا تھا۔ میں نے سوالیہ

(باقی صـ۲۹ پر)

اکتوبر ۶۸ء

جنوں کے فرزند

باسط عظیم

یہ دیکھنا ہے فصیل شب کا حصار کبتک رہے گا قائم
یہ دیکھنا ہے فصیل شب میں پناہ تم کو ملے گی کبتک
یہ دیکھنا ہے رہے گی کبتک یہ جور پیہم کی بالادستی
یہ دیکھنا ہے کہ ظلم کب تک روا رہے گا
ستم کی میعاد اور کتنی طویل ہو گی
سجیں گی کبتک یہ قتل گاہیں
لہو یہ کبتک یونہی بہے گا
مگر.....
یہ شب
جو کہ مختصر ہے
طلسم اس کا ہے ٹوٹنے کو
لئے ہوئے مشعلیں فروزاں
جنوں کے فرزند آ چکے
جنوں کے فرزند آ رہے ہیں...

طلوعِ سحر

حزیں لدھیانوی

جب بھی جلتا ہے سینہ صحرا
خوب گھر کر برستے ہیں بادل
ذرّے ذرّے کی پیاس بجھتی ہے
ایک ہو جاتے ہیں حسیں جل تھل
جب بھی چلتی ہے تیز و تند ہوا
ذرّوں کو بے قرار کرتی ہے
پھر انہی بے قرار ذرّوں کو
مہر سے ہمکنار کرتی ہے
جب بھی بڑھتی ہے تیرگی حد سے
ماہِ کامل نکل ہی آتا ہے
تاروں کے جب چراغ بجھتے ہیں
نورِ خورشید پھیل جاتا ہے
جب بھی شاہوں کے ظلم حد سے بڑھے
قہر ٹوٹا بصورتِ "کاوہ"
راہ میں قصر و تخت و تاج آئے
نہ رُکا پر عوام کا لاوہ
آج بھی ہر طرف ہے ظلمت شب
آج بھی تیرگی میں گم ہے نظر
کوئی دن میں ضرور دیکھو گے
تیرہ بختو، جمالِ روئے سحر

With Compliments from

JUPITER TRADING COR.

Importers, and Stockists of Tools and Hardware

10, WAZIR MANSION NICOL ROAD,

KARACHI.

Grams : "Saltpetre"

Phone : 233258

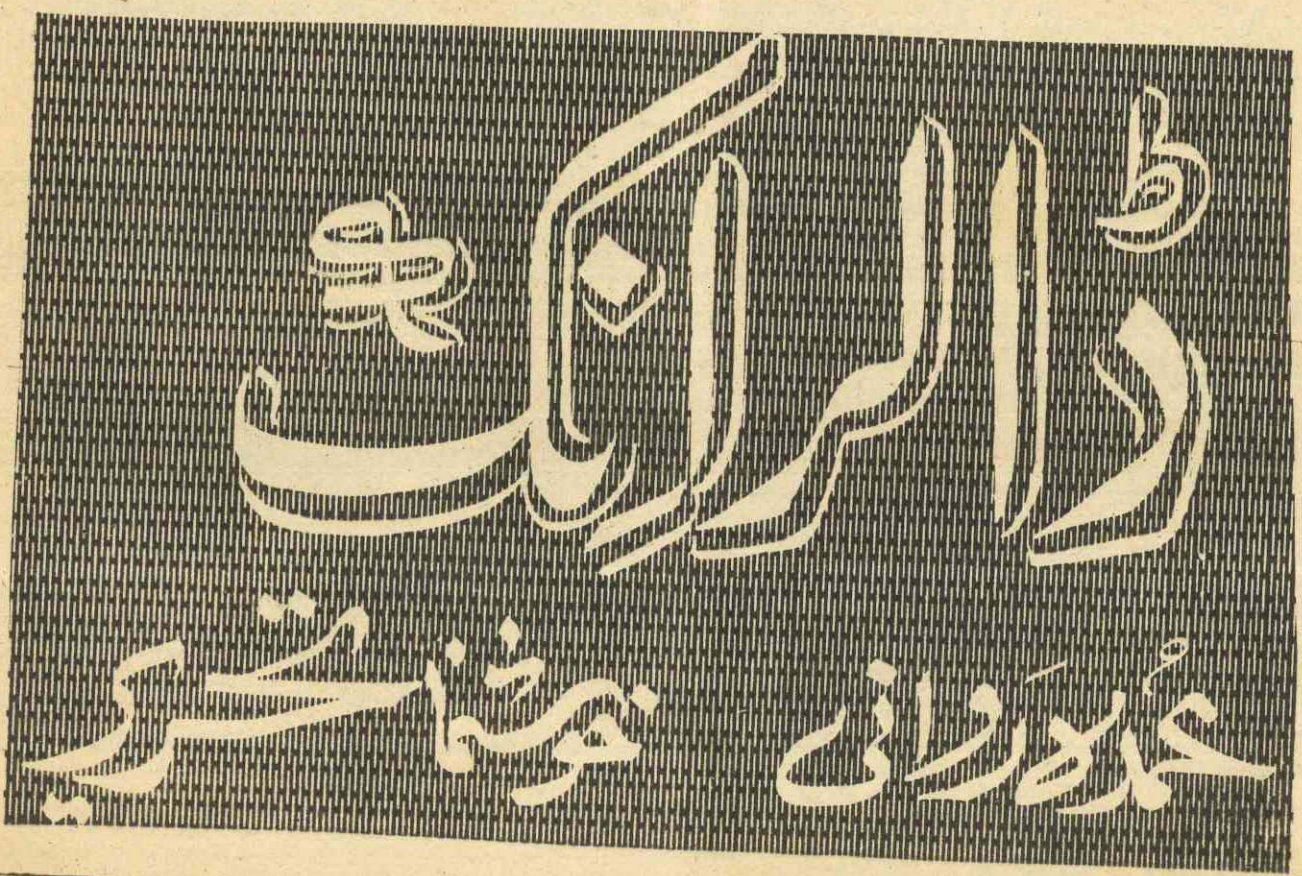

تبسم جمیل

اندھیرے اندھیرے

بارش رک گئی تھی ـــ مگر ہوا حسب معمول تیز چل رہی تھی
اس نے دریچے کا ایک پٹ کھول کر باہر کی جانب دیکھا ـــ مشرق کی جانب سے ایک کنواری معصوم سی شفق پھوٹ رہی تھی تو تب ہی اس نے منی کے شکستہ سے دیئے کی جانب منہ کر کے پھونک ماردی ۔ زرد زرد ۔ ٹمٹماتی ہوئی لو ایک لمحہ کیلئے بھڑکی اور پھر بجھ گئی تو اس نے دریچہ کا پٹ پٹ بھیڑ دیا۔

رمجو ـــ ؟

"ارے اُو رمجو ـــ چل اٹھ بھئی کام پر نہیں چلے گا کیا ۔؟"

اس نے اپنے بیٹے کو آواز دی جو قریب ہی چارپائی پر لیٹا تھا۔

"نہیں بابا میں اب کام پر نہیں جانے کا" ـــ اس نے کروٹ بدلی

"کیا ـــ کام پر نہیں جائے گا ـــ پاگل تو نہیں ہوگیا ہے تو ـــ کام نہیں کرے گا تو پیٹ کہاں سے بھرے گا ۔ بھگوان تو آکر دینے سے رہا

"نہیں بابا میں اب کبھی کام پر نہیں جانے کا ـــ مجھے روٹی کپڑا کچھ نہیں چاہیئے ۔ میں اب پڑھوں گا ـــ میں بابو بننا چاہتا ہوں بابا تو مجھے بابو بنا دے گا نا ـــ ؟

رمجو نے اپنے گول گول دیدوں کو گھماتے ہوئے کہا تو چندرو چیخ اٹھا کہا "کہیں تو پاگل تو نہیں ہوگیا ہے رمجو ـــ کبھی نیچ ذات کے اچھوت لوگ بھی بابو بنے ہیں"۔

"پگلے ـــ تو ایسے خواب نہ دیکھ بیٹا میں نے بھی کبھی ایسے خواب دیکھے تھے ـــ پگلے خواب بھی کبھی حقیقت ہوئے ہیں اور وہ بھی غریبوں کے خواب ـــ ہم نیچ ذات اچھوت لوگ بھلا اس قابل کہاں کہ بابو بن سکیں ـــ چل اٹھ کام پر چل بہت دیر ہوگئی ۔"

چندرو بابا نے دیوار کے سہارے رکھی ہوئی جھاڑو اٹھائی اور کوڑا رکھنے والی ٹوکری سر پر رکھ لی اور رمجو بھی اپنی ننھی ننھی ہتھیلیوں سے آنکھیں مسلتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا ـــ

رمجو بے چارے کی ابھی عمر بھی کیا تھی ـــ صرف بارہ برس ۔؟ ماں تو اس کے پیدا ہوتے ہی مرگئی تھی ۔ چندرو بابا نے بڑی محنت سے پال پوس کر اتنا بڑا کیا ـــ رمجو کی جب دس برس کی عمر ہوئی تو چندرو اس کو بھی اپنے ساتھ لے جانے لگا ۔ رمجو تو کسی بھی عمارت کی سیڑھیوں پر بیٹھ جاتا اور چندرو فٹ پاتھ صاف کرنے کے بعد کولتار کی سیاہ سڑک پر بکھری ہوئی ۔ دن اور رات بھر کی گندگی کا ڈھیر ایک جگہ لگا دیتا ۔ اور رمجو مرمریں سیڑھیوں پر بیٹھا اپنی ہتیلی کے گول گول پیالوں میں سانولا معصوم سا چہرہ لٹکائے فلسفیانہ انداز میں سوچا کرتا ۔

آخر کیوں ـــ ایسا کیوں ہے ـــ !!

میرا بابا کوٹ پتلون کیوں نہیں پہنتا ـــ وہ اور لوگوں کی طرح پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر بابو والے انداز میں کیوں نہیں چلتا ـــ اور ـــ یہ بابو لوگ ـــ تہذیب یافتہ بابو لوگ جب ہمارے قریب سے گزرتے تھیں تو اپنی ناک پر کپڑا کیوں رکھ لیتے ہیں ۔ آخر کیوں کرتے ہیں ۔ یہ لوگ ایسا جیسے ہم انسان نہیں بلکہ کسی گندی نالی کے کیڑے ہیں ۔ جانے کیوں یہ لوگ ہم سے بات کرتے ہوئے جھجکتے ہیں ۔ اگر ہم ان کے قریب چلے جائیں تو اس طرح دھتکار دیتے ہیں جیسے ہم انسان نہیں بلکہ کتے ہیں ـــ مگر آج کل تو بہت سے لوگ کتوں کو بھی سینے سے چمٹا لیتے ہیں ۔ پھر جانے کیوں یہ اونچی ذات کے بابو ہم سے پیار نہیں کرتے ۔"

اتنی بہت سی باتیں سوچنے کے بعد جب رمجو کا ننھا سا ذہن کچھ نہ سمجھ پاتا تو وہ کولتار کی سیاہ سڑک پر دوڑتی ہوئی نیلی پیلی کاروں میں بیٹھے ہوئے اونچی ذات کے بابو لوگوں کے چہروں پر اپنی نظریں گاڑ دیتا اور پھر اس کے ذہن میں سوالات ابھر آتے ۔ !

گھر سے آکر چندرو اور رمجو نے حسب معمول کالو ملہاری کے کیبن کے سامنے ہی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر چائے منگائی تو جانے کیوں رمجو کو آج عجیب سا لگا ۔

بابا ۔ اے بابا میں اب یہاں بیٹھ کر چائے نہیں پیوں گا ۔ آخر یہ کالو ملہاری ہم کو اندر ہوٹل میں کرسی پر بیٹھکر چائے پینے کیوں نہیں دیتا ـــ آخر یہ ہم کو اپنے گلاس میں چائے کیوں نہیں پلاتا ـــ بابا کیا تو پیسے نہیں دیتا جو یہ اس طرح اکڑ کر بات کرتا ہے ۔ آخر کیا سمجھتا ہے یہ اپنے آپ کو ۔"

ارے ـــ رمجو تو نے پھر پاگلوں جیسی باتیں کیں ـــ کہیں نیچ اور شودر کا بھی کوئی دھرم ہوتا ہے ـــ ہم تو نیچ اور شودر ذات کے ملیچھ

لوگ ہیں نا ــــ اور یہ، یہ لوگ تو دھرم والے ہیں نا ــــ اونچی ذات کے تہذیب یافتہ بابو لوگ ــ اگر کالو ملہاری نے ہم کو اندر بلا کر چائے پلائی تو یہ اونچی دھرم والے بابو لوگ اس سے بگڑ نہ جائیں گے ــــ ہم اچھوت ہوئے نا ــــ ہم نیچ ذات کے لوگ گندے ہوتے ہیں بھلا یہ لوگ ہمیں کس طرح اپنے قریب آنے دیں گے۔"

چندرو بابا نے آہستہ آہستہ اس کو ساری بات بتلا دی تو اس نے اس طرح گردن ہلائی جیسے سب کچھ سمجھ گیا ہو ــــ جان گیا ہو ان تہذیب یافتہ بابو لوگوں کے بارے میں ــــ"

چندرو کا جیون بھی اب تک عجیب طرح سے گزرا ــــ کراچی کی گلیوں اور سڑکوں پر جھاڑو دیتے دیتے تو جوانی میں قدم رکھا اور پھر جب شباب کا زمانہ آیا تو کراچی کی گودی پر کام کرنے والی ایک سانولی سی لڑکی پارو سے پریم ہو گیا ــــ وہ معصوم سی نٹ کھٹ لڑکی اس کے من مندر میں کچھ اس طرح سمائی کہ اس نے پارو سے پیار رچا لیا۔ کتنا خوش ہوا تھا اس وقت چندرو جیسے اس کو پوری دنیا کی دولت مل گئی ہو ــ جیون اسی طرح بیتتا رہا۔ اور پھر ایک روز رمجو بھی پیدا ہو گیا ــ رمجو کیا پیدا ہوا چندرو بیچارے کے دل کے تار ہی ٹوٹ گئے۔ رمجو کے پیدا ہوتے ہی بیچاری پارو ہی چل بسی ــ اب تو چندرو کی دنیا اندھیر ہو کر رہ گئی ــ اس نے سینکڑوں ارمان دل میں بسا کر رمجو کو پالا اور پھر جب وہ دس برس کا ہو گیا تو اس کو بھی کراچی کی ان چوڑی چکلی سڑکوں پر ساتھ لے جانے لگا ــ چندرو کی زندگی کا کافی حصہ تو کراچی کی سڑکوں اور گلیوں کی صفائی کرتے کرتے گزر گیا تھا۔ اور اب تو چندرو کی کمر میں خم سا آ گیا تھا۔ اکثر جب چندرو جھاڑو دیتے دیتے تھک جاتا تو ہانپنے لگتا ــــ

اتنے برس کی خدمت کے صلے میں اس کو ٹی بی کا منحوس تحفہ مل گیا تھا وہ گھنٹوں فٹ پاتھ پر بیٹھ کر بری طرح کھانسا کرتا اور جب کھانستے کھانستے تھک سا جاتا تو رمجو ٹوکری میں کوڑا ڈالتے ڈالتے رک جاتا۔"

اسی لئے تو کہتا ہوں کہ مجھے داخل کرا دے اسکول میں۔ پڑھ لکھ کر بابو بن جاؤں گا، تو یہ سب مصیبت ختم ہو جائے گی۔ وہ آہستہ سے باپ سے مخاطب ہوتا۔ مگر چندرو صرف اس پاگل سے لڑکے کی باتوں پر مسکرا دیا کرتا تھا۔

جیون کی الجھی الجھی سی ڈور سلجھتی رہی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کئی سال دبے پاؤں گزر گئے۔

چندرو بابا کو تو میونسپلٹی والوں نے ٹی بی اور دوسرے مہلک مرض کا اعزاز بخش کر ریٹائر کر دیا تھا ــــ مگر رمجو اب جوان ہو گیا تھا اور رمجو کے ساتھ کی کھیلی ہوئی وہ معصوم بھولی بھولی سی گلہری بھی۔

وقت کا دھارا بہتا رہا۔ رمجو بے چارہ صرف ساٹھ روپے میں اپنا اور بوڑھے بیمار باپ کا پیٹ پالتا رہا۔

پچھلے چند روز سے چندرو سخت بیمار تھا پہلے تو ہفتہ میں صرف ایک دو بار ہی منہ سے خون آیا کرتا تھا مگر پچھلے دو روز سے برابر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد خون تھوک رہا تھا۔ رمجو کے پاس اتنا پیسہ کہاں تھا کہ وہ کسی اچھے اور قابل ڈاکٹر سے علاج کراتا۔ ساٹھ روپے کی تنخواہ میں دونوں کا پیٹ بھرنا مشکل تھا۔

اور پھر ایک روز چندرو رمجو کو اس بھری دنیا میں اکیلا چھوڑ کر چلا گیا بھوک افلاس اور مہلک بیماریوں سے جنگ لڑنے کے لئے۔

وقت گزرتے دن نہیں لگتے دیکھتے ہی دیکھتے چندرو کو مرے ہوئے کئی سال بیت گئے اس عرصے میں رمجو نے کملا سے شادی کر لی تھی اور پھر ایک روز تقسیم کا وقت بھی آ گیا تو رمجو بھلا کو لے کر بمبئی چلا آیا۔ یہاں آ کر بھی اس نے وہی کام کیا جو کراچی میں کرتا تھا۔ پہلے تو میونسپلٹی والوں نے اس کی نوکری بمبئی کی گودی پر لگا دی اور پھر بعد میں بمبئی کی چوڑی چکلی سڑکوں کی صفائی پر لگا دیا ــ اور پھر رمجو کو بمبئی آئے پورے پندرہ سال گزر گئے، اس عرصے میں اسے کوئی اولاد نصیب نہ ہوئی۔ بے چارہ سینکڑوں ارمان اور خواہش اپنے من کے شکستہ سے مندر میں چھپائے کام کرتا رہا ــــ اور پھر ایک دن کملا نے جب اسے اک نئے آنے والے کی خوشخبری سنائی تو وہ پاگل ہو گیا۔

سچ ــــ اگر یہ صحیح ہے تو پھر میں اپنے بچے ضرور پڑھاؤں گا۔ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ بابو بناؤں گا چاہے میں برادری سے الگ ہی کیوں نہ ہو جاؤں۔ اور پھر منگو بھی پیدا ہو گیا۔

دن گزرتے رہے، رمجو منگو کو بابو بنانے کی خواہش دل میں لئے کوڑے کے ڈھیر اٹھاتا رہا۔ اب رمجو کی کمر میں بھی خم سا آ گیا تھا وہ بے چارہ بمبئی کی گلیوں اور سڑکوں پر جھاڑو دیتے دیتے تو جوانی میں قدم رکھا اور پھر جب شباب کا زمانہ آیا تو کراچی کی گودی پر کام کرنے والی ایک سانولی سی لڑکی پارو سے پریم ہو گیا ــــ وہ معصوم سی نٹ کھٹ لڑکی اس کے من مندر میں کچھ اس طرح سمائی کہ اس نے پارو سے پیار رچا لیا۔ کتنا خوش ہوا تھا اس وقت چندرو جیسے اس کو پوری دنیا کی دولت مل گئی ہو ــ جیون اسی طرح بیتتا رہا۔ اور پھر ایک روز رمجو بھی پیدا ہو گیا ــ رمجو کیا پیدا ہوا چندرو بیچارے کے دل کے تار ہی ٹوٹ گئے۔ رمجو کے پیدا ہوتے ہی بیچاری پارو ہی چل بسی ــ اب تو چندرو کی دنیا اندھیر ہو کر رہ گئی ــ اس نے سینکڑوں ارمان دل میں بسا کر رمجو کو پالا اور پھر جب وہ دس برس کا ہو گیا تو اس کو بھی کراچی کی ان چوڑی چکلی سڑکوں پر ساتھ لے جانے لگا ــ چندرو کی زندگی کا کافی حصہ تو کراچی کی سڑکوں اور گلیوں کی صفائی کرتے کرتے گزر گیا تھا۔ اور اب تو چندرو کی کمر میں خم سا آ گیا تھا۔ اکثر جب چندرو جھاڑو دیتے دیتے تھک جاتا تو ہانپنے لگتا ــــ

اتنے برس کی خدمت کے صلے میں اس کو ٹی بی کا منحوس تحفہ مل گیا تھا وہ گھنٹوں فٹ پاتھ پر بیٹھ کر بری طرح کھانسا کرتا اور جب کھانستے کھانستے تھک سا جاتا تو رمجو ٹوکری میں کوڑا ڈالتے ڈالتے رک جاتا۔"

اسی لئے تو کہتا ہوں کہ مجھے داخل کرا دے اسکول میں۔ پڑھ لکھ کر بابو بن جاؤں گا، تو یہ سب مصیبت ختم ہو جائے گی۔ وہ آہستہ سے باپ سے مخاطب ہوتا۔ مگر چندرو صرف اس پاگل سے لڑکے کی باتوں پر مسکرا دیا کرتا تھا۔

جیون کی الجھی الجھی سی ڈور سلجھتی رہی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کئی سال دبے پاؤں گزر گئے۔

چندرو بابا کو تو میونسپلٹی والوں نے ٹی بی اور دوسرے مہلک مرض کا اعزاز بخش کر ریٹائر کر دیا تھا ــــ مگر رمجو اب جوان ہو گیا تھا اور رمجو کے ساتھ کی کھیلی ہوئی وہ معصوم بھولی بھولی سی گلہری بھی۔

وقت کا دھارا بہتا رہا۔ رمجو بے چارہ صرف ساٹھ روپے میں اپنا اور بوڑھے بیمار باپ کا پیٹ پالتا رہا۔

پچھلے چند روز سے چندرو سخت بیمار تھا پہلے تو ہفتہ میں صرف ایک دو بار ہی منہ سے خون آیا کرتا تھا مگر پچھلے دو روز سے برابر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد خون تھوک رہا تھا۔ رمجو کے پاس اتنا پیسہ کہاں تھا کہ وہ کسی اچھے اور قابل ڈاکٹر سے علاج کراتا۔ ساٹھ روپے کی تنخواہ میں دونوں کا پیٹ بھرنا مشکل تھا۔

اور پھر ایک روز چندرو رمجو کو اس بھری دنیا میں اکیلا چھوڑ کر چلا گیا بھوک افلاس اور مہلک بیماریوں سے جنگ لڑنے کے لئے۔

وقت گزرتے دن نہیں لگتے دیکھتے ہی دیکھتے چندرو کو مرے ہوئے کئی سال بیت گئے اس عرصے میں رمجو نے کملا سے شادی کر لی تھی اور پھر ایک روز تقسیم کا وقت بھی آ گیا تو رمجو بھلا کو لے کر بمبئی چلا آیا۔ یہاں آ کر بھی اس نے وہی کام کیا جو کراچی میں کرتا تھا۔ پہلے تو میونسپلٹی والوں نے اس کی نوکری بمبئی کی گودی پر لگا دی اور پھر بعد میں بمبئی کی چوڑی چکلی سڑکوں کی صفائی پر لگا دیا ــ اور پھر رمجو کو بمبئی آئے پورے پندرہ سال گزر گئے، اس عرصے میں اسے کوئی اولاد نصیب نہ ہوئی۔ بے چارہ سینکڑوں ارمان اور خواہش اپنے من کے شکستہ سے مندر میں چھپائے کام کرتا رہا ــــ اور پھر ایک دن کملا نے جب اسے اک نئے آنے والے کی خوشخبری سنائی تو وہ پاگل ہو گیا۔

سچ ــــ اگر یہ صحیح ہے تو پھر میں اپنے بچے ضرور پڑھاؤں گا۔ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ بابو بناؤں گا چاہے میں برادری سے الگ ہی کیوں نہ ہو جاؤں۔ اور پھر منگو بھی پیدا ہو گیا۔

دن گزرتے رہے، رمجو منگو کو بابو بنانے کی خواہش دل میں لئے کوڑے کے ڈھیر اٹھاتا رہا۔ اب رمجو کی کمر میں بھی خم سا آ گیا تھا وہ بے چارہ بمبئی کی گلیوں اور سڑکوں پر جھاڑو دیتے دیتے تو جوانی میں قدم رکھا اور پھر جب شباب کا زمانہ آیا تو کراچی کی گودی پر کام کرنے والی ایک سانولی سی لڑکی پارو سے پریم ہو گیا ــــ وہ معصوم سی نٹ کھٹ لڑکی اس کے من مندر میں کچھ اس طرح سمائی کہ اس نے پارو سے پیار رچا لیا۔ کتنا خوش ہوا تھا اس وقت چندرو جیسے اس کو پوری دنیا کی دولت مل گئی ہو ــ جیون اسی طرح بیتتا رہا۔ اور پھر ایک روز رمجو بھی پیدا ہو گیا ــ رمجو کیا پیدا ہوا چندرو بیچارے کے دل کے تار ہی ٹوٹ گئے۔ رمجو کے پیدا ہوتے ہی بیچاری پارو ہی چل بسی ــ اب تو چندرو کی دنیا اندھیر ہو کر رہ گئی ــ اس نے سینکڑوں ارمان دل میں بسا کر رمجو کو پالا اور پھر جب وہ دس برس کا ہو گیا تو اس کو بھی کراچی کی ان چوڑی چکلی سڑکوں پر ساتھ لے جانے لگا ــ چندرو کی زندگی کا کافی حصہ تو کراچی کی سڑکوں اور گلیوں کی صفائی کرتے کرتے گزر گیا تھا۔ اور اب تو چندرو کی کمر میں خم سا آ گیا تھا۔ اکثر جب چندرو جھاڑو دیتے دیتے تھک جاتا تو ہانپنے لگتا ــــ

اتنے برس کی خدمت کے صلے میں اس کو ٹی بی کا منحوس تحفہ مل گیا تھا وہ گھنٹوں فٹ پاتھ پر بیٹھ کر بری طرح کھانسا کرتا اور جب کھانستے کھانستے تھک سا جاتا تو رمجو ٹوکری میں کوڑا ڈالتے ڈالتے رک جاتا۔"

اسی لئے تو کہتا ہوں کہ مجھے داخل کرا دے اسکول میں۔ پڑھ لکھ کر بابو بن جاؤں گا، تو یہ سب مصیبت ختم ہو جائے گی۔ وہ آہستہ سے باپ سے مخاطب ہوتا۔ مگر چندرو صرف اس پاگل سے لڑکے کی باتوں پر مسکرا دیا کرتا تھا۔

جیون کی الجھی الجھی سی ڈور سلجھتی رہی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کئی سال دبے پاؤں گزر گئے۔

چندرو بابا کو تو میونسپلٹی والوں نے ٹی بی اور دوسرے مہلک مرض کا اعزاز بخش کر ریٹائر کر دیا تھا ــــ مگر رمجو اب جوان ہو گیا تھا اور رمجو کے ساتھ کی کھیلی ہوئی وہ معصوم بھولی بھولی سی گلہری بھی۔

وقت کا دھارا بہتا رہا۔ رمجو بے چارہ صرف ساٹھ روپے میں اپنا اور بوڑھے بیمار باپ کا پیٹ پالتا رہا۔

پچھلے چند روز سے چندرو سخت بیمار تھا پہلے تو ہفتہ میں صرف ایک دو بار ہی منہ سے خون آیا کرتا تھا مگر پچھلے دو روز سے برابر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد خون تھوک رہا تھا۔ رمجو کے پاس اتنا پیسہ کہاں تھا کہ وہ کسی اچھے اور قابل ڈاکٹر سے علاج کراتا۔ ساٹھ روپے کی تنخواہ میں دونوں کا پیٹ بھرنا مشکل تھا۔

اور پھر ایک روز چندرو رمجو کو اس بھری دنیا میں اکیلا چھوڑ کر چلا گیا بھوک افلاس اور مہلک بیماریوں سے جنگ لڑنے کے لئے۔

وقت گزرتے دن نہیں لگتے دیکھتے ہی دیکھتے چندرو کو مرے ہوئے کئی سال بیت گئے اس عرصے میں رمجو نے کملا سے شادی کر لی تھی اور پھر ایک روز تقسیم کا وقت بھی آ گیا تو رمجو بھلا کو لے کر بمبئی چلا آیا۔ یہاں آ کر بھی اس نے وہی کام کیا جو کراچی میں کرتا تھا۔ پہلے تو میونسپلٹی والوں نے اس کی نوکری بمبئی کی گودی پر لگا دی اور پھر بعد میں بمبئی کی چوڑی چکلی سڑکوں کی صفائی پر لگا دیا ــ اور پھر رمجو کو بمبئی آئے پورے پندرہ سال گزر گئے، اس عرصے

مرمر کی سیڑھیوں پر اپنی ہتھیلی میں تھوڑی ٹکا کر بیٹھ گیا۔ اور پھر سوچنے لگا۔

نیچ ذات کے بارے میں ـــــ وہ بے چارہ خود اچھوت کا مطلب نہیں سمجھا تھا ـــــ اسے تو صرف رمجو نے یہ بتایا تھا کہ اچھوت ان لوگوں کو کہتے ہیں۔ جیسے کوئی بری ذات والے نہیں ہوتے۔ جو کوڑا اٹھاتے ہیں ـــــ جو گلیوں اور سڑکوں کی صفائی کرتے ہیں وہ اچھوت اور نیچ ذات کے لوگ ہوتے ہیں ـــــ دنیا میں ان لوگوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ـــــ کوئی مقام نہیں ہوتا ـــــ یہ لوگ تو بس اونچی ذات والے بابو لوگوں کی پھیلائی ہوئی گندگی سمیٹنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں اور پھر خون تھوک تھوک کر کسی فٹ پاتھ یا سڑک کے کنارے دم توڑ دیتے ہیں ـــ!!

اندھیری رات کا مسافر

نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا، اتنے دن کہاں رہے؟ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے، مگر اس نے کچھ نہ کہا صرف مسکرا کر رہ گیا۔ اس کی مسکراہٹ میں طنز کے زہریلے نشتر تھے۔ قریب کے ہوٹل سے آواز آ رہی تھی۔ وہ صبح کبھی تو آئے گی۔

چلتے چلتے کہنے لگا وہ صبح کب آئے گی میرے دوست، جب نہ کوئی دھرم چند اور نہ بھوک؟ جب نہ یہ فرسودہ سماج ہوگا اور نہ گندہ ماحول؟ وہ وقت کب آئے گا میرے محسن جبکہ بڑی بڑی فیکٹریاں جن کی چمنیوں سے نکلتا ہوا دھواں کسی مفلس کی آہوں کی طرح اٹھ رہا ہے عوام کی ملکیت ہونگی خوشحالی اور مسرتیں ہوں گی۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، میں نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ گھبراؤ نہیں میرے رفیق! وہ صبح ضرور طلوع ہوگی، وہ وقت ضرور آئے گا۔ نیا نظام تشکیل پا رہا ہے۔ نہ یہ گندہ ماحول ہوگا اور نہ حالات کی ستم ظریفی ہوگی، کل کی صبح اخوت، مساوات اور آزادی کی صبح ہوگی۔ وہ گھنٹوں کمرے میں بیٹھا ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ لیکن زیادہ تر اس کی گفتگو کا مرکز رجنی ہی تھی۔ کہنے لگا رجنی کی ماں رجنی کی شادی فیکٹری کے ایک مزدور سے کرنا چاہتی ہے، لیکن وہ پانچ سو نقد، گھڑی اور سائیکل کی فرمائش پوری نہیں کر سکتی۔ بھلا وہ بیچاری اتنے روپے کہاں سے لائے گی۔ وہ ایک سرد آہ بھر کر خاموش ہو گیا۔ پھر ہم دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔ میرے بہت اصرار کرنے کے باوجود وہ پھر ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا نہ جانے کہاں؟

اور پھر وہ رات جبکہ وہ پریشان، بدحواس سا کمرے میں داخل ہوا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی وہ چلتی پھرتی زندہ لاش بنکر رہ گیا تھا۔ اس نے پانچ سو روپے میرے ہاتھوں میں تھما دئے اور نیچے کے راستے سے گھپ اندھیرے میں تحلیل ہو گیا، جیسے اندھیروں ہی کی کوکھ سے اس کا جنم ہوا ہو، لیکن اب جب کبھی جاڑے کی مسکتی، کانپتی طویل راتوں میں تنہائی کے لمحات میسر آتے ہیں تو مجھے شدت سے اس کی یاد ستانے لگتی ہے، اور میں بے چینی کی حالت میں اس کی یادوں کو سمیٹے ماضی کے غمناک دھندلکوں میں کھو جاتا ہوں

کامیاب تاجروں
کا بینک
یونائیٹڈ بینک

UBL

یونائیٹڈ بینک کامیاب تاجروں کا بینک ہے۔ کیونکہ عملہ کی جانفشانی، جدت اور جستجو کاروبار میں کامیابی کی نئی نئی راہیں کھولتی ہے۔ ملک کے گوشے گوشے میں تاجروں کو بینکاری کی سہولت پہنچانے کے لئے بینک کی ۴۵۰ سے زیادہ شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے اہم شہروں میں ٹیلی پرنٹر، کمپیوٹر اور جدید مشینوں کے ذریعہ کارکردگی کو اور بھی بہتر بنایا گیا ہے یونائیٹڈ بینک آپ کے کاروبار کو زیادہ منافع بخش اور بینکاری کو آسان تر بنانے میں ہمہ وقت کوشاں ہے۔

یونائیٹڈ بینک کا امتیاز ـــ
جدید بینکاری اور انفرادی توجہ۔

UBL
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ

UBL. 102. 80.R. 68 UD LINTAS

منشور آپ کا ہے
خود پڑھئے اور دوسروں کو پڑھوائیے

روبی واچ کمپنی نزد کشی بلڈنگ۔ بندر روڈ۔ کراچی۔ فون:۔ ۲۲۳۱۱۰

MARKSMAN

With Compliments from

Platinum Electric Store

Dealers in : Electrical Goods Motors, Mill Stores and General Suppliers.

Stockist of : Pakistan Cables and Millat Fans

NOORBHOY JAFFERJI BUILDING,
SOUTH NAPIER ROAD (ALTAF HUSSAIN ROAD,)
KARACHI.
Phone : 238712

سکھر میں بزمِ منشور کا قیام

دائیں سے بائیں :۔ مشتاق علی بھٹو، حاجی عدیل شفیق احمد اور نگران اعلیٰ بزم منشور۔

مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سندھ میں شہر سکھر ہی کو یہ امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ وہاں اس حصّے کی چار تہذیبیں نظر آتی ہیں چار زبانیں بولی جاتی ہیں ویسے سکھر بہت چھوٹا سا شہر ہے، لیکن اپنے دامن میں وسیع تہذیبی خزانہ لئے ہوئے ہے ایک ایسے شہر میں جہاں ادبی و ثقافتی گہما گہمی قدم قدم پر نظر آتی ہو، وہاں بزمِ منشور کا قیام فالانیک کی حیثیت رکھتا ہے۔

جب ہم سکھر پہنچے تو بزم منشور کے کارکن اجلاس کی تیاریوں میں مصروف تھے، ان کے تیور سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ تمام لوگ تحریک بیداری کے ہراول دستے سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ سکھر کے وسط میں واقع ریلوے گراؤنڈ کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا اور وقت مقررہ پر لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے۔ لوگ جب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو بزم کے ایک سرگرم رکن شفیق احمد نے کراچی اور حیدر آباد سے آئے ہوئے بزم کے مہمانوں کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی اور تمام ساتھیوں سے ان کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد جلسے کی صدارت کیلئے مشتاق علی بھٹو کو دعوت دی گئی جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ اور پھر جلسے کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ سب سے پہلے بزم کے نگران اور تنظیمی کمیٹی کا انتخاب عمل میں آیا شفیق احمد بزم کا نگراں اور غیاث الدین غیاث، عبد الغفور بھٹی، محمد عارف اور اقبال کو معاونین منتخب کیا گیا۔

۱۳ انتخاب و تعارف کے بعد حاجی عدیل نے بزم کے اغراض و مقاصد اور حیدر آباد کی بزم منشور کی کارکردگی پر روشنی ڈالی اور پھر یہ جگمگ کرتا ہوا ہال تقریروں سے گونجنے لگا۔ ان تقاریر کی صدائے بازگشت سکھر کی فضاؤں میں رستی بستی رہی۔

نقوی صاحب نے کہا :۔

آج کا بزم منشور سکھر کا اجلاس ایک ایسا اجلاس ہے جس کے مقصد پر میں دل و جان سے قربان ہونے کو تیار ہوں۔ سکھر جیسے شہر میں بزم منشور کا اجلاس اس بات کی دلیل ہے کہ منشور کے پرستاروں کا حلقہ دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ جیسے جیسے اس کے چاہنے والے اور پڑھنے والوں میں اضافہ ہو رہا ہے ویسے ویسے اس کی مقبولیت منشور دشمنوں کو حواس باختہ کر رہی ہے یہ بات منشور کی صحیح راہ عمل کی نشاندہی کرتی ہے۔ میں ایک ٹریڈ یونین کا رکن ہوں اور ریلوے کا ملازم اس لئے ملک کے کثیر عوام کی طرح خالی ہاتھ دخالی پیٹ ہوں لیکن میں آپ تمام دوستوں کے سامنے اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ میں اپنی یونین اور خود انفرادی طور پر منشور و بزم منشور کے لئے ہر قربانی کے لئے حاضر ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ منشور نے آج کے دور میں جو سب سے نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے وہ یہ ہے کہ سیاست و ادب میں جو خط نام نہاد سرمایہ پرست ادیبوں نے کھینچ دیا تھا منشور نے اسے حرف غلط کی طرح مٹا دیا ہے۔ یہ کتنی مفاد پرستانہ بات ہے کہ دانشور حضرات بھی حکومت کے ساتھ "سب ٹھیک ہے"

کے نعرے لگا رہے ہیں حالانکہ حقیقت حال کچھ بھی ٹھیک نہیں چیخ رہی ہے مجھ سے پہلے آنے والے مقررین نے یہ بات بالکل صحیح کہی ہے کہ منشور عوامی جذبات کا عکاس ہے اس بنا پر میں بھی پورے خلوص کے ساتھ اس کی آواز میں آواز ملا رہا ہوں

یوسف بندھانی صاحب نے کہا:-

میں ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے اور اپنے مشاہدے کی بنا پر یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ یہ اجلاس منشور کی عظمت اور مقبولیت کا مظہر ہے۔ منشور کے پرستاروں اور اس کے عظیم کاذ کو پھیلانے والے کارکنوں کی جانفشانی اب رنگ لانے لگی ہے۔ پاکستان کے عوام اب یہ بات اچھی طرح جاننے لگے ہیں کہ منشور صرف مزدوروں، کسانوں اور تمام محنت کشوں کا ہی رسالہ نہیں بلکہ یہ پاکستانی عوام کے جذبات کا آئینہ دار ہے اور یہ طالب علموں کی آواز بھی ہے۔ یہ بات کتنی افسوسناک ہے کہ پاکستان کے نام نہاد ادیبوں شاعروں اور دانشوروں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور فن کی عظمتوں کو اپنی شیطانی خواہشات کے حصول کا ذریعہ بنا لیا ہے یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں آزاد ہوئے بیس سال گزر گئے ہیں لیکن ہم آزادی کے صحیح مفہوم سے آگاہ نہیں جبکہ عوام کو باشعور کرنے کی ذمہ داری تو دانشوروں کے حصے میں بھی آتی ہے لیکن مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ پاکستان کے بہت کم دانشور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہوئے ہیں اور آج کل ان میں سرفہرست منشور کے قلمکار ہیں۔ منشور نے اس تیرہ و تار فضا میں شعور و ادراک کی جو مشعل روشن کی ہے میں اپنی طالب علم برادری کیطرف سے اس کا یقین دلاتا ہوں کہ اس مشعل کو سدا روشن رکھنے کی کوششوں میں ہم تمام منشور دوست محنت کشوں اور عوام سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

جوہر صاحب نے کہا:-

بزم منشور کا یہ اجلاس نہ صرف غم کے اظہار کا اجتماع ہے بلکہ غموں کے خلاف جدوجہد کرنے کے مشترکہ عزم کی تقریب بھی ہے جو لوگ آج کے ایٹمی دور میں لوگوں کو افیون کی گولیاں دے کر سلاتے رہے اور سلا رہے ہیں ہم بزم منشور کے پلیٹ فارم سے ان کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ایک دن ہمارے بیدار ہاتھ ظالموں کی گردنیں ضرور بالضرور ناپیں گے۔ ہم اس سماج کے دشمن ہیں جو اعلیٰ و ادنیٰ کی تقسیم کرتا ہے اور انھیں باغی و مجرم قرار دیتا ہے جو اس تقسیم کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر حق مانگنا جرم ہے تو ہم مجرم ہیں۔ ہم اپنے اس مقدس جرم کا دائرہ اور وسیع کرنا چاہتے ہیں۔ دراصل حق مانگنے کا دور تو آج سے بہت پہلے گزر چکا ہے اب تو حق چھیننے کا وقت آگیا ہے۔ میرے اس خیال کی تصدیق منشور کا ہر صفحہ کرتا ہے جو میرے دل میں ہے وہ منشور کے صفحات پر ہے، منشور ملک کے کمزور عوام کی آواز ہے ایک ایسی آواز جو للکار سے کم نہیں۔ منشور کے اہل قلم اپنے نوکیلے قلموں سے تیرگی کا سینہ چیر کر انسانی ذہن کو منور کر رہے ہیں

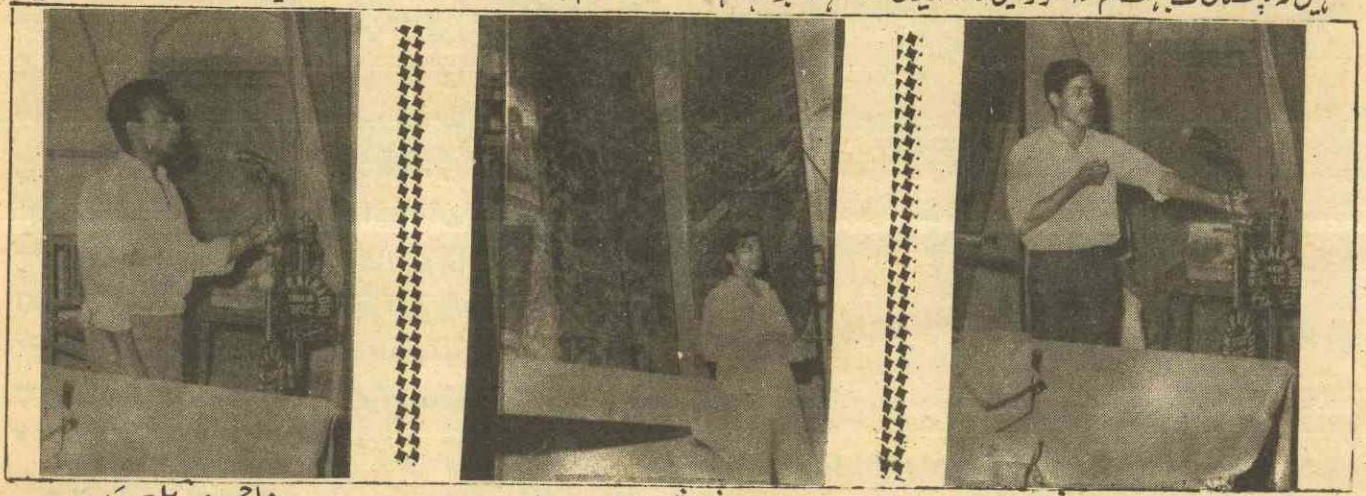

یوسف بندھانی صاحب — غیاث صاحب — حاجی عدیل صاحب

بزم منشور اسی عظیم کام کو منظم طریقے پر انجام دینے کے لئے وجود میں آئی ہے، اس بنا پر میں دل و جان سے اس کام میں منشور دوستوں کا ہاتھ بٹانا چاہتا ہوں۔ یقیناً کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔

محمد عارف صاحب نے کہا:۔

مجھ سے پہلے بہت سے دوستوں نے منشور اور بزم منشور کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی ہے۔ میں اس میں کچھ اضافہ تو نہیں کرنا چاہتا، اس لئے کہ آج پاکستان کا ہر محنت کش یہ بات جانتا ہے کہ اس کے مسائل کی ترجمانی کا فرض منشور ادا کر رہا ہے۔ یہاں میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں روشنی کا طالب تھا اور روشنی مجھے منشور سے مل گئی ہے اب یہ منشور میرا ہے یہ منشور سارے محنت کش عوام کا منشور ہے۔

محمد اقبال صاحب نے کہا:۔

آج کا یہ اجلاس میرے دلی جذبات کا مظہر ہے۔ اس اجلاس میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں ایک مزدور ہوں میرا کام رنگ محلوں کو جگمگانا ہے تاریکی میں روشنی پھیلانا ہے۔ لیکن میرا گھر تاریک ہی رہتا ہے۔ میرے گھر کی طرح میرا ذہن بھی تاریک تھا۔ میرے تاریک ذہن کو جس نے روشن کیا اس قوت کا نام منشور ہے، اس لئے میں اس قوت کا جانباز پرستار ہوں۔

اخلاق احمد صاحب نے کہا:۔

آج میں بزم منشور کے اس ولولہ انگیز اجلاس میں شرکت کر کے فخر محسوس کر رہا ہوں۔ میں منشور کا ایک عام قاری ہوں اور یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ منشور عوام میں طبقاتی شعور کی روپہلی روشنی پھیلا رہا ہے۔ اسی شعور کی بنا پر میں یہ کہتا ہوں کہ منشور مزدوروں کسانوں کی گرجتی ہوئی آواز ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ لوگوں میں طبقاتی و سیاسی شعور پیدا کیا جائے کیونکہ ہر انقلاب کا ضامن انہی کا طبقاتی شعور ہی ہوتا ہے۔ یہ کام ۱۹۳۶ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین نے شروع کیا تھا۔ ادب کی تاریخ میں جب طبقاتی شعور بخشنے والے ادب کا نام آئے گا تو ترقی پسند مصنفین کا ذکر بھی آئے گا۔ ان کی جرأت مندانہ شعوری کوششوں سے انکار کرنا ایسے ہی ہے جیسے جاگتی ہوئی حقیقت سے انحراف کرنا یہ ترقی پسند مصنفین ہی کی تحریک کا نتیجہ ہے کہ آج ہم ہر تخلیق کے سلسلے میں ایک واضح رائے قائم کر سکتے ہیں۔ میں منشور اور بزم منشور کو بھی اس تحریک کا پرتو سمجھتا ہوں۔ منشور کا نصب العین بھی ترقی پسند مصنفین کی طرح بہت مقدس ہے اس لئے میں اور میری طرح لاتعداد کارکن منشور اور بزم منشور کے مقدس اور اعلیٰ مقاصد کیلئے کام کرنے کو تیار ہیں اور کر رہے ہیں۔ آپ سے رخصت ہوتے ہوئے میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ منشور صرف رسالہ کا نام نہیں، ایک تحریک کا نام ہے۔ جو ظلم و بربریت اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف جاری کی گئی ہے اور یہ تحریک اس وقت تک جاری رہے گی جب تک اس کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔

شفیق احمد صاحب نے کہا:۔

دوستو میں زیادہ لمبی چوڑی بات نہیں کرنا چاہتا ہوں، میں تو دو اور دو چار کے انداز میں سوچتا ہوں۔ میرے والد کہا کرتے تھے کہ بیٹا آدمی بھوکا اٹھتا ہے

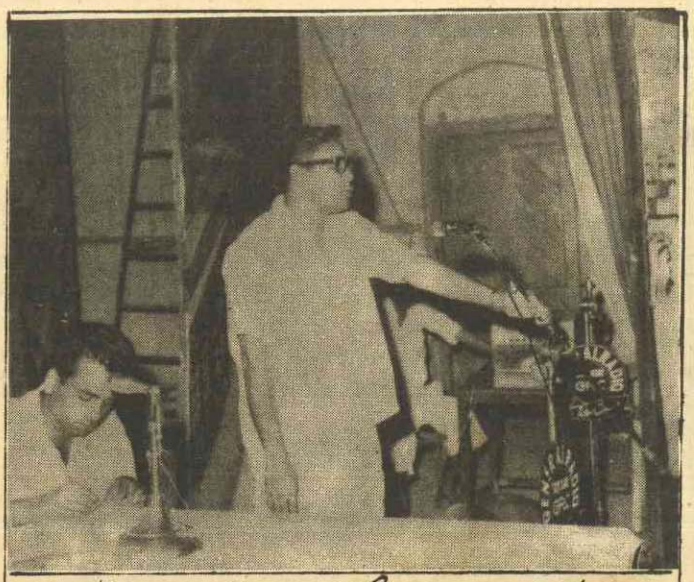

شفیق احمد صاحب نگران بزم منشور سکھر

بھوکا سوتا نہیں۔ لیکن آج میں یہ سوچتا ہوں کہ یہ بات یا مثال ہمارے دور پر بھی اور قدیم اشتمالی دور کے بعد کے ادوار پر بھی صادق نہیں آتی اس لئے کہ ہر سماج کا وہ طبقہ جو ملک و قوم تہذیب و تمدن کو بنانے نکھارنے اور ترقی دینے پر نہ صرف قادر ہے بلکہ اس کے لئے ہمہ تن مصروف رہتا ہے اس طبقے کی اکثریت بھوکی سوتی ہے اور بھوکی اٹھتی رہی ہے اور آج بھی اٹھتی ہے، یہ بات ٹھیک ہے کہ آج ایسے حالات نہیں کہ انسان منڈی میں جنس کی صورت میں فروخت ہو۔ لیکن ذرا اس کا بھی اندازہ لگائیے کہ انسان نے منڈی میں جنس کی صورت میں بکنے سے اپنی قوت محنت فروخت کرنے تک کی ترقی کتنی عظیم قربانیاں دینے کے بعد حاصل کی ہے۔ انسان کی قربانیوں کی داستان اتنی طویل ہے کہ اس کو بیان کرنے کے لئے عمر خضر درکار ہے، حصول مقصد کیلئے ہمارے اجداد کی تاریخی قربانیاں ہی ہمیں یہ درس دیتی ہیں کہ ہم بغیر جدوجہد و قربانیوں کے اس سڑے ہوئے طبقاتی سماج کو مہکتے ہوئے غیر طبقاتی سماج میں تبدیل نہیں کر سکتے۔ دوستو چشم تصور سے ذرا یہ بھی تو سوچو کہ جب بکنے والا غلام انسان اپنے جابر و ظالم آقاؤں کے ہاتھوں بکنے کے خلاف علم بغاوت بلند کر سکتا ہے منڈی میں بکنے سے انکار کر سکتا ہے تو کیا ہم اپنے لوٹنے والوں کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتے۔ اپنے ازلی و ابدی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والوں کے خلاف بغاوت کرنا انسان کا فطری عمل ہے یہ بات کتنی غیر فطری ہے کہ ایک کسان صبح سے شام تک خون پسینہ ایک کر کے اناج پیدا کرتا ہے، مگر بھوکا سوتا ہے اور بھوکا اٹھتا ہے۔

جہاں عالم یہ ہو، وہاں بچوں کی تعلیم اور ماں باپ بہن اور بیوی کی ضروریات خواہشات کی تکمیل کا تصور کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ یہ کتنی بیچارگی ہے کہ ایک "فنکار" سو روپے گز کا کپڑا بنتا ہے، لیکن وہ بیوی اور بہن کو پہنانا تو کجا انھیں لاکر دکھا نہیں سکتا کہ اسے ان سے اپنے فن کی صحیح داد ملے۔ کیا ایسے حالات کے خلاف نعرۂ بغاوت بلند کرنا ہمارا اوّلین فرض نہیں۔ ہاں ہے۔ اور یہی فرض منشور ادا کر رہا ہے۔ آج سے پہلے بھی اور آج بھی لڑائی صرف اور صرف دو طبقوں کی رہی ہے۔ ظالم اور مظلوم۔ فاتح ہمیشہ مظلوم ہوا ہے، بڑے سے بڑا ظالم بھی برسر پیکار مظلوموں کو شکست نہیں دے سکا۔ فنا ہونا ظالم کا مقدر ہے۔ آج ویتنام کی مثال دی جا سکتی ہے۔ ہمارے دوست کا سب

سے بڑا غاصب ظالم امریکی سامراج اپنی تمام تر ہلاکت خیز ایٹمی قوت کے باوجود شکست سے ہمکنار ہو رہا ہے۔ اگر ہم اپنے حقوق حاصل کرنیکی جدوجہد کریں تو دنیا کی کوئی طاقت ہماری قوت کے سامنے دم نہیں مار سکتی۔ سوال صرف عملی اقدامات کا ہے ہم جب دریاؤں کا رخ موڑ سکتے ہیں۔ سمندر پاٹ سکتے ہیں زمین کا سینہ چیر کر اناج پیدا کر سکتے ہیں، بلند و بالا عمارتیں، اور اپنی قوت محنت سے دنیا کو جنت بنا سکتے ہیں تو کیا ہم غاصبوں کو نیست و نابود نہیں کر سکتے۔ کر سکتے ہیں۔ یہی وہ شعوری خزانہ ہے جو منشور اپنے دامن میں شہر شہر، گلی گلی بکھیر رہا ہے۔ منشور کے سرورق پر یقیناً حسین اور جاذب نظر عورتوں کی تصویریں نہیں ہوتی ہیں۔ لیکن اس پر ہمارے مسائل اور انھیں حاصل کرنے کا اسم اعظم کندہ ہوتا ہے اور میں اسی لئے منشور کو پڑھتا ہوں۔

سید شوکت علی صاحب نے کہا:۔

میں بزم منشور کا ایک ادنیٰ ممبر ہوں اور منشور کو اس لئے پسند کرتا ہوں کہ منشور اس دور میں حق کی آواز بلند کر رہا ہے۔ ایک ایسے دور میں جبکہ ہر شخص ایک گھٹن کا شکار ہے۔ ہر طرف جمود اور سناٹے کی حکمرانی ہے۔ اس تصویر کا دوسرا رُخ بلند و بانگ بے ہنگم اور بے سرو پا ترقی و خوشحالی اور آزادی کے دعوؤں کی جھوٹی رنگ آمیزی سے عبارت ہے۔ ستم ظریفی دیکھئے کہ ہمارے ارباب حل و عقد اور ان کے حواری چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھائے ہیں کہ ہم ترقی و خوشحالی کی عظیم شاہراہ پر گامزن ہیں" ہماری ترقی آج دنیا کیلئے مثال بن رہی ہے" وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان دعوؤں کی تردید آئینۂ حقیقت حال سامنے رکھ کر کی جائے تو اس جرأت کا صلہ نہ صرف قید و بند کی صورت میں ملتا ہے بلکہ جھوٹ کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاموش کرنیکی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن آواز حق کو خاموش کرنے والے لوگ شاید اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ باطل کے خلاف آواز اٹھانے والے متوالوں کو کبھی خاموش نہیں کیا جا سکتا۔ میں اس بات پر نہ صرف یقین رکھتا ہوں بلکہ اب تو تجربے اور حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ آج باطل کے خلاف گونجنے والی آواز کا نام منشور ہے۔ اور یہ آواز باشعور انسانوں کے لئے اجنبی نہیں کیونکہ یہ آواز ہر دور میں غاصبوں اور ظالموں کے خلاف بلند ہوتی رہی ہے، اور آج کے بدترین حالات میں منشور کی آواز ملک کے گوشے گوشے میں گونج رہی ہے۔ آخر میں میں منشور کے پڑھنے والے دوستوں سے اتنا اور کہوں گا کہ وہ منشور کو نہ صرف خود پڑھیں بلکہ دوسروں کو بھی پڑھوائیں اور بتائیں کہ منشور کیا ہے اور اس کا پیغام کیا ہے۔!

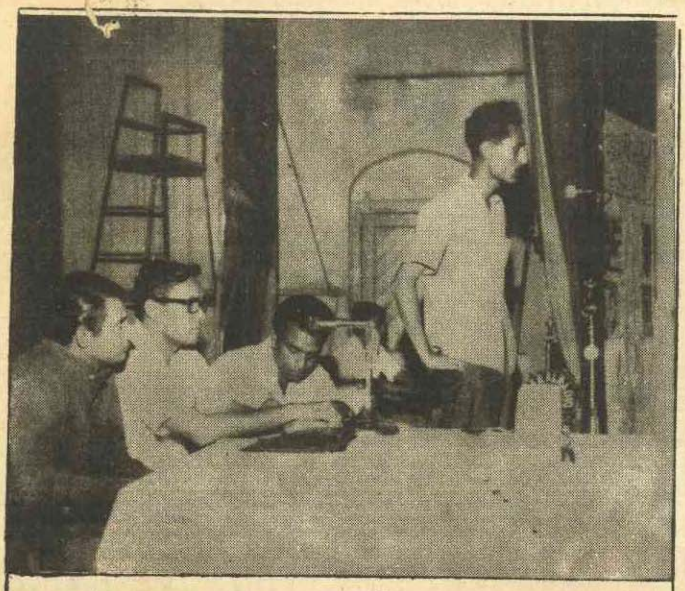

ذکی عباس صاحب نگران اعلیٰ بزم منشور

ذکی عباس صاحب نے کہا:۔

آخر میں کل پاکستان بزم منشور کے نگران اعلیٰ جناب ذکی عباس تقریر کے لئے آئے تو لوگوں نے پرجوش نعروں اور تالیوں سے ان کا استقبال کیا۔ انہوں نے کہا آپ دوستوں کے پرجوش خلوص کا بہت بہت شکریہ۔ بزم منشور کے سلسلے میں تمام ساتھیوں نے اپنے حیات بخش خیالات کا اظہار کیا میں پیشہ ور مقرر تو نہیں کہ کوئی لچھے دار تقریر کر دوں۔ دو چار باتیں آپ سے کرنا چاہتا ہوں، اس لئے چاہتا ہوں کہ تالیوں اور نعروں کا سلسلہ کسی اور موقعہ کے لئے رکھا جائے، آج تالیوں اور نعروں کی ضرورت نہیں آج تو ہم آپ سے عمل و تعاون کے متمنی ہیں اور ہمیں امید ہے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔

عزیز دوستو! شاید یہ بات آپ کے علم میں نہیں کہ ملک میں منشور سے پہلے کوئی ایسا رسالہ یا اخبار نہیں تھا جو محنت کش طبقے کی حالت زار عوام تک پہنچاتا۔ یہی وجہ تھی کہ پی آئی اے کی یونین کے رہنماؤں نے سوچا کہ مزدوروں کی ترجمانی کرنے والا کوئی اخبار یا رسالہ نکالنا چاہئے۔ آخر جب ان کی سوچ نے عملی شکل اختیار کی اور منشورہ کا پہلا شمارہ آیا تو اس سلسلے میں ہمیں بڑے پاپڑ بیلنے پڑے یہ ایک طویل داستان ہے، مختصر یہ کہ ہم منشور جاری کر کے پاکستان کی سیاست کے اندر اور پاکستان کی صحافت کے اندر، پاکستان کے ادب کے اندر ایک انقلاب لانا چاہتے تھے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا، ہمارے سامنے ہزاروں مشکلیں تھیں اور ہمارے وسائل بہت محدود تھے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ دانشور قسم کے لوگ ہمیں دل برداشتہ بھی کر رہے تھے۔ مجھے ایک صاحب جو پاکستان کے مشہور افسانہ نگار ہیں ان کی بات اب تک یاد ہے کہ جب ہم نے ان کو منشور کا تازہ شمارہ دکھایا تو وہ گھبرائے ہوئے انداز میں کہنے لگے۔ میاں کیا کرتے ہو ڈوب جاؤ گے پکڑے جاؤ گے کوئی پرسان حال نہیں ہوگا۔ ایسے مایوس کن حالات کے باوجود ہم پرعزم رہے اور اپنی اپنی تنخواہوں کا ایک حصہ پہلے منشور کی نذر کیا تاکہ پریس والوں کو نقد دے کر ایک مسئلہ حل کریں۔ میں ساری داستان دہراتا نہیں چاہتا، بہرحال منشور شائع ہوا اور شائع ہوتا رہے گا۔ اس کے باوجود بھی کہ ہمارے دشمن اپنے لامحدود وسائل کے ساتھ ہم پر ہمیشہ حملے کرتے رہتے ہیں۔ ابھی حال ہی کی بات ہے کہ ہم پر دباؤ ڈالا گیا کہ ہم اپنی پالیسی بدلیں ورنہ۔۔۔۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ ورنہ کا کیا مطلب ہے، لیکن ہم نے ان دباؤ ڈالنے والے حضرات سے کہا کہ ہم جس پالیسی پر عمل پیرا ہیں اس سے ایک قدم پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہم جس طرح رسالہ نکال رہے ہیں اسی طرح نکالا کرے گا، خواہ یہ بند ہی کیوں نہ ہو جائے۔

ایسے پرآشوب دور میں جہاں قدم قدم پر پابندیاں ہوں منشور کا جاری رہنا معجزہ سے کم نہیں اور لوگ جو منشور کے مضامین پڑھنے کے بعد یہ سوچتے ہیں کہ اس دور میں یہ پرچہ شائع کیسے ہو رہا ہے تو ان کی خدمت میں عرض

ہے کہ جناب آپ اس قوت کو کیوں بھول جاتے ہیں جو منشور کی پشت پر ہے یہ قوت نہ صرف پی آئی اے کے تیرہ ہزار مزدوروں کی قوت ہے بلکہ پورے پاکستان کے مزدور طبقے اور عوام کی قوت ہے۔ منشور پڑھنے والے پندرہ ہزار خاندانوں کی پرخلوص ہمدردیاں منشور کی نگہبان ہیں۔

ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ مزدوروں کسانوں طالب علموں دانشوروں اور عام شہریوں کو سیاست میں حصہ لینا چاہئے۔ جبکہ ہمارے ارباب حل و عقد صبح و شام یہ کہتے نہیں تھکتے کہ سیاست مخصوص لوگوں کے گھر کی لونڈی ہے۔ اور وہ مخصوص لوگ سرمایہ دار جاگیردار اور نوکر شاہی کے افراد ہیں۔ یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے کہ وہ طبقہ جو مفت خوروں کا روٹی دیولہے، جب اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے تو اسے باز رکھنے کیلئے مختلف حربے استعمال کئے جاتے ہیں انھیں حربوں میں سے ایک حربہ سیاست میں حصہ نہ لینے دینا بھی ہے۔ اس بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ ان افراد کے خلاف جدوجہد کریں جو ہمیں ہمارے پیدائشی حقوق سے محروم کرنے کی سازش کرتے ہیں یا اس میں شریک ہوتے ہیں وہ افراد چاہے ملک کے اندر ہوں یا ملک کے باہر حکومت پر ہوں یا حکومت سے باہر۔ یہی ہمارا نصب العین ہے۔ یہاں ایک بات میں کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے کارواں میں آج نام نہاد ترقی پسند دانشور شریک نہیں۔ اس کی وجہ وہ بہتر جانتے ہیں۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ ترقی پسند مصنفین کی تحریک نے تاریخی طور پر ایک مثالی اور اہم کردار ادا کیا۔ لیکن آج ان ادیبوں کے ایئر کنڈیشن بنگلوں کے پھاٹکوں پر کتے پل رہے ہیں اور ان کے یہاں پرائیویٹ سکریٹری متعین ہیں۔ اور یہ بات نہ بھولیے کہ ایک وقت وہ تھا کہ جب یہ افراد ادب برائے ادب کے بجائے ادب برائے زندگی کا نعرہ بلند کیا کرتے تھے۔

اب آپ خود ہی سوچئے کہ ادیبوں اور عوام کا کتنا قریبی تعلق ہے۔ اور اس شکل میں ان کے سلسلے میں کیا کہا جائے، کتنا جاندار عوامی ادب تخلیق ہوگا۔؟ اور کس حد تک عوامی ادیب ہوں گے۔؟

عوامی ادب تو پہلے بھی اور آج بھی یہی ہے کہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے لیکن لعنت ہے ان ترقی پسند دانشوروں پر جو عوام سے خراج تحسین کے بجائے سرمایہ داروں کے ادبی انعام حاصل کر رہے ہیں اور فخر سے پھولے نہیں سماتے، آپ خود سوچئے کہ ان رجعت پرست دانشوروں میں جو سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور سامراج کے ایجنٹ ہیں اور ان نام نہاد ترقی پسند دانشوروں میں آخر کیا فرق ہے۔؟

آخر میں میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ منشور کے تمام دشمنوں میں جس دشمن نے اس پر بالکل برہنہ ہو کر حملہ کیا وہ جماعت اسلامی ہے، جماعت اسلامی کے متعلق ہم سب جانتے ہیں کہ اس کا کردار کیا ہے۔ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جماعت اسلامی امریکی سامراج کی پروردہ ٹولی کا نام ہے اس بنا پر ہم اس سلسلے میں غافل نہیں اور نہ ہی اس وقت تھے جب اس نے لاکھوں کی تعداد میں ہمارے خلاف شرانگیز پوسٹر شائع کئے تھے اور پی آئی اے کے مزدوروں میں ہمارے خلاف زہریلے ہینڈ بل تقسیم کروائے تھے اس کے علاوہ ملک کے بیشتر رسالوں اور اخبارات میں بھی جو ان کے اثر و رسوخ میں ہیں ہمارے خلاف بیانات، مراسلات شائع کئے تھے۔ ہم چونکہ اپنے دشمن کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ تھے اور ہیں اس لئے اس کا ہر وار نہ صرف خالی گیا بلکہ وہ خود ہی گھائل ہوا۔ حد تو یہ ہے کہ بظاہر آزادی انصاف کا نعرہ لگانے والی اس جماعت کے گرگوں نے حکومت سے بھی منشور کو بند کرنے کی بھیک مانگی، حالانکہ اسی حکومت سے وہ دن رات تحریر و تقریر کی آزادی کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ دوغلا کردار جماعت کی فطرت ہے۔ ہم اس سے اچھی طرح آگاہ ہیں اب عوام بھی اس سے واقف ہوتے جا رہے ہیں، وہ وقت دور نہیں جب اس جماعت کا جنازہ سامراجی آقاؤں کے قبرستان میں پاکستانی عوام دفن کر دیں گے، اور اسے دفنانے کی تقریب میں منشور اور بزم منشور کے محنت کش پرستار سب سے پیش پیش ہوں گے۔

آخر میں بزم منشور سکھر کی تنظیمی کمیٹی کیلئے پانچ افراد کا انتخاب عمل میں جن کے نام یہ ہیں:- شفیق احمد صاحب نگران - اقبال صاحب رکن

رکن تنظیمی کمیٹی:- اقبال صاحب، عارف بیگ صاحب - غفور بھٹی اور غیاث الدین صاحب - اور پھر ایک گھنٹے کے وقفے کے بعد ایک محفل مشاعرہ زیر صدارت جناب شفیق احمد صاحب منعقد ہوئی۔ حسب ذیل شعراء کرام نے اپنے کلام سے سامعین کو نوازا - انور حیدر رضوی - عتیق الرحمن، حاجی عدیل، غیاث الدین غیاث - ظفر الحق ظفر، اسد بریلوی، تنویر احمد تنویر، عبد اللطیف ضبط، عبدالرحمن اتبد - پروفیسر شاہد احمد علوی - ن م نیازی، ڈاکٹر عباسی اور آفاق صدیقی۔

کھٹمل، مچھر
آپ کی صحت کے دشمن ہیں
جدید فارمولا سے تیار کردہ
نوکڈ ون
کھٹمل، مچھر، لال بیگ اور دیگر
جراثیم کو فوراً ہلاک کرتا ہے
پرل جنرل انڈسٹریز
عظیم مارکیٹ۔ ناظم آباد۔ کراچی
پی آئی اے۔ کوآپریٹو اسٹورز سے بھی دستیاب ہے

خبرنامہ

شالیمار سلک ملز لمیٹڈ کی انتظامیہ کی دھاندلی

یونین کے نائبین صدر، جنرل سکریٹری۔ اور ممبران مجلس عاملہ پر مقدمات

تین مزدوروں کی برطرفی ختم کروانے اور دوسرے مطالبات پر یونین کا ہڑتال نوٹس

کراچی، ۲۸ ستمبر (نمائندہ منشور) شالیمار سلک ملز مزدور یونین کے جنرل سکریٹری نے آج منتظمین شالیمار سلک ملز لمیٹڈ کے نام ایک ہڑتال نوٹس جاری کرتے ہوئے ان سے تین برطرف شدہ مزدوروں۔ محب علی۔ محمد حنیف اور امیر احمد شاہ کی غیر قانونی برطرفیاں ختم کرنے انھیں کام پر واپس لینے، ان کے اس سلسلے میں ہونے والے نقصانات پورے کرنیکے مطالبے کے ساتھ ساتھ گیارہ دوسرے مطالبات پورے کرنیکا مطالبہ کیا گیا ہے۔

ہڑتال نوٹس کا پس منظر یہ ہے کہ ۔مورخہ ۵ جون کو گیارہ مطالبات پر مشتمل ایک ہڑتال نوٹس مالکان کو یونین کی طرف سے دیا گیا تھا۔ جس پر ساڑھے تین مہینے کی طویل مصالحتی بات چیت کے بعد یونین کے مفاہمتی جذبے کی بدولت جناب شہاب الدین قریشی اسسٹنٹ ڈائرکٹر لیبر و ویلفیئر ایسٹ کراچی کے پاس تین برطرف شدہ مزدوروں، ممبر مجلس عاملہ یونین گل رحمن کو دو مہینے کی تنخواہ۔ عباس دلاہمیل ویلور کو ایک مہینے کی تنخواہ اور محمد سیٹیں کلرک کو پندرہ دن کی تنخواہ کی ادائیگی ایک مہینے کی تنخواہ اوسط اجرتوں کے اعتبار سے بطور بونس دی جائے۔ چونتیس چھٹیاں باتنخواہ دی جائیں اور ضرورتمند کو تین مہینے کی بغیر تنخواہ رخصت دی جائے اور اجرتوں کو منیمم ویجز بورڈ ایوارڈ کے مطابق بنانے کے مطالبات کی منظوری کے معاہدے پر فریقین کے درمیان سمجھوتہ ہوا۔ اور یوں حالات کو بہتر بنانے کیلئے یونین کو اپنی مجلس عاملہ کے ممبر کی واپسی اور دوسرے مطالبات سے دستبردار ہونا پڑا۔ مالکان نے یقین دلایا کہ وہ حالات کو بہتر بنانے میں یونین سے تعاون کریں گے۔

لیکن معاہدے کے فوری بعد ملز انتظامیہ کے بعض یونین دشمن افراد نے بانبوں کی ترسیل ویونگ ڈپارٹ میں کم کروادی۔ جن کھاتوں میں اس معاہدے کی بدولت اجرتوں میں اضافہ ہوا وہاں کے کاریگروں کو غلط الزامات پر مشتمل چارج شیٹیں جاری کی گئیں۔ اور ایک مزدور میر احمد شاہ کو کام سے نکال دیا گیا۔ مزدوروں اور یونین کی طرف سے ضبط و تحمل کے مظاہرے کے بعد یونین میں مزید انتشار پھیلانے کیلئے مالکان کی جانب سے یونین نائبین صدور۔ جنرل سکریٹری اور تین مجلس عاملہ کے ممبران کے نام دفعہ ۱۰۷-۱۱۷ کے تحت مقدمات قائم کئے گئے۔ اور یونین دشمن افسران نے دعویٰ کیا کہ وہ اب یونین کو ختم کرکے دم لیں گے۔

یونین نے اپنے ایک مراسلے کے ذریعہ منتظمین کی مذکورہ یونین دشمن مزدور کش اقدامات پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ان اقدامات کو ملکی قوانین اور مزدور قوانین کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے متعلقہ مصالحتی افسر سے اس معاملے میں مداخلت کرنے اور مذکورہ اقدامات واپس لینے کیلئے ملز انتظامیہ پر دباؤ ڈالنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اور ساتھ ہی دیگر ضروری مسائل پر مذکورہ نوٹس بھی جاری کر دیا گیا تاکہ مزدوروں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے۔

نور سلک ملز لیبر یونین اور ملز انتظامیہ کے

درمیان چھوٹے چھوٹے مسائل پر سمجھوتہ

کراچی، ۲۷ ستمبر (نمائندہ منشور) نور سلک ملز لیبر یونین کے سال رواں میں جاری ہونیوالے مراسلات کی روشنی میں اور محکمۂ محنت کی کارروائیوں کے نتیجے میں و نیز یونین کی مفاہمانہ روش کی بدولت۔ بالآخر جناب اسسٹنٹ ڈائرکٹر لیبر و ویلفیئر (کنسلیشن) ویسٹ کے اجلاس پر نور سلک ملز لمیٹڈ کی انتظامیہ اور یونین کے درمیان چھوٹے چھوٹے مسائل پر اتفاق رائے سے ایک سمجھوتہ مورخہ ۱۷ ستمبر کو ہو گیا ہے سمجھوتے کے تحت طے پایا کہ۔ وائنڈروں کی تنخواہوں کے بقایاجات بابت سال ۱۹۶۷ء منیمم ویجز بورڈ ایوارڈ ۱۰ اکتوبر کو تقسیم کر دئے جائیں گے، کینٹن قانون کے مطابق بغیر نفع بغیر نقصان کے اصولوں تک چلائی جائے گی پرانے کاریگروں کو ترقی اور نفع بخش جگہوں پر پہلے موقعہ دیا جائے گا۔ مالکان نے امید دلائی کہ وہ اندرونی حالات کو بہتر بنائیں گے اور ڈائنگ پرنٹنگ کھاتوں کے ریٹ منیمم ویجز بورڈ کے مطابق بنا دیں گے۔ یونین کے جنرل سکریٹری محمد ملکی نے معاہدے پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یونین کے تمام معاملات بات چیت اور آئینی ذرائع سے طے کرنیکے طریقہ کار کو بہتر سمجھتی ہے، انہوں نے امید ظاہر کی کہ انتظامیہ یونین کے دائر کردہ دو صنعتی تنازعات پر بھی سمجھوتہ کرکے حالات کو بہتر بنانے میں یونین سے تعاون کریں گے۔

اشرف رضوی کی گرفتاری کے خلاف رٹ داخل کر دیگئی

سی مینز پاکستان لمیٹڈ اور شہاب سلک ملز کورنگی کے مزدوروں کے مطالبات مانے جائیں

کراچی مزدور مرکزی کمیٹی کی مجلس عاملہ کے فیصلے

کراچی ۲۰ ستمبر (نمائندہ منشور) مزدور رہنما اشرف حسین رضوی جنرل سکریٹری کراچی مزدور مرکزی کمیٹی کی مسلسل دفاعی قوانین کے تحت گرفتاری کو عدالت عالیہ کراچی میں چیلنج کر دیا گیا ہے۔ درخواست کی ابتدائی سماعت کے بعد مسٹر جسٹس عبد السلام فاروقی اور مسٹر جسٹس داراب پٹیل پر مشتمل ڈویژن بنچ نے کراچی انتظامیہ کے نام نوٹس جاری کر دیا ہے۔ عدالت میں اس رٹ کی پیروی (ڈیفنس کمیٹی) کے جناب عبید الرحمٰن ایڈوکیٹ اور مسٹر شہریار ایڈوکیٹ کر رہے ہیں۔ یہ بات مورخہ ۲۰ ستمبر کو کراچی مزدور مرکزی کمیٹی کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں ابن ایوب نے بتلائی۔ مجلس عاملہ کا یہ اجلاس کمیٹی کے صدر جناب طفیل عباس کی صدارت میں شام کے چھ بجے منعقد ہوا۔ جس میں عہدیداروں کے علاوہ ملحقہ یونینوں کے سرگرم کارکنوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ اجلاس میں گزشتہ آٹھ مہینے کی مالیاتی رپورٹ پیش کی گئی۔ اور کمیٹی کے کام کو آگے بڑھانے کیلئے اس کے لئے مناسب مقدار میں فنڈ اکٹھا کرنے کی تدبیروں پر غور و خوض کیا گیا۔ اجلاس میں ملحقہ یونینوں اور کمیٹی کی دوسری تنظیمی سرگرمیوں کا تفصیلی اور تنقیدی جائزہ لیا گیا۔ اور کمیٹی کے اغراض و مقاصد کو مزید بہتر انداز میں پورا کرنے کیلئے کارکنوں کو اپنی کارکردگی بڑھانے پر زور دیا گیا۔ اجلاس میں یہ بھی طے پایا کہ وکلاء کی ڈیفنس کمیٹی بھی اپنی کارکردگی کا جائزہ لینے کیلئے وقتاً فوقتاً اپنے اجلاس منعقد کرتی رہے۔ واضح ہو کہ اشرف حسین رضوی کی رہائی کیلئے مفت قانونی امداد فراہم کرنیکے لیے کراچی کے بے لوث اور محب وطن وکلاء نے ایک ڈیفنس کمیٹی تشکیل دی تھی۔ تشکیل کے پہلے ہی مرحلے میں کمیٹی میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ کراچی مزدور مرکزی کمیٹی کی رہنمائی میں آئندہ مزدوروں اور ان کی جدوجہد سے متعلق مالکان کی طرف سے مسلط کردہ تمام مقدمات کی پیروی مفت کی جائے گی۔ اور صرف ٹکٹ وغیرہ کا خرچ لیا جائے گا۔ اس دوران کمیٹی کی جانب سے یونین کمیٹی سے ملحقہ متعدد یونینوں کے متعلقہ مقدمات کی پیروی ڈیفنس کمیٹی کی جانب سے کی جا رہی ہے۔ کمیٹی اور اجلاس کے صدر جناب طفیل عباس نے کارکنوں کو تلقین کی کہ کھوکھلی نعرہ بازی کے بجائے صحیح نصب العین کے تحت بنیادی اور ٹھوس کام کرتے ہوئے اور اپنے آپ پر بھروسہ کرتے ہوئے غیر منظم مزدوروں کو منظم کرتے ہوئے اور منظم مزدوروں کو صحیح فکر و شعور کے ساتھ عمل سے مربوط کر کے صحیح تعین سمت کی جانب جدوجہد کریں۔

اجلاس میں سی مینز پاکستان لمیٹڈ کی حمایت میں قرارداد پاس کی گئی۔ اور ہڑتالی مزدوروں کی مکمل حمایت کا اعلان کیا گیا۔ اور منتظمین سی مینز پاکستان لمیٹڈ سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ مزدوروں کے مطالبات پورے کریں اور ان کے نقصانات پورے کر کے اپنی غیر قانونی کارروائیاں ختم کریں۔ ایک اور قرارداد کے ذریعے شہاب سلک ملز کورنگی کے مزدوروں کی تالہ بندی پر محکمہ محنت کی سرد مہری پر سخت غم و غصہ کا اظہار کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ تالہ بندی ختم کراتے ہوئے تالہ بندی کے شکار مزدوروں کو کام پر لیا جائے اور ان کے نقصانات پورے کر دئے جائیں۔

ڈرگ کالونی کے باشندوں کے سماجی مسائل حل کئے جائیں

انجمن محبان وطن حلقہ ڈرگ کالونی کے انتخابی جلسے کی قراردادیں اور تقاریر

کراچی، ۱۵ ستمبر (نمائندہ منشور) آج بروز اتوار انجمن محبان وطن ڈرگ کالونی کے انتخابات منعقد ہوئے۔ اجلاس میں لانڈھی کورنگی، ملیر، ناظم آباد لیاقت آباد، نئی کراچی کے حلقوں کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ جناب اظہر عباس نے گزشتہ کارکردگی کی رپورٹ پیش کی۔ جلسہ عام میں مقامی اور دوسرے حلقوں کے نمائندوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ مسلسل، بے لوث اجتماعی جدوجہد کے بعد کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ انجمن کا ماضی اس امر کا گواہ ہے کہ جب بھی ہم نے عوام کی قیادت میں مسائل کے حل کے لئے جدوجہد کی تو کامیابی نے ہمارے قدم چومے ہیں اور انجمن کے قیام کا مقصد بھی یہی ہے کہ عوام کی صلاحیتیں اجاگر ہوں اور اس کے ذریعے ملک کی تعمیر و ترقی میں منظم، متحد اور متحرک عوام اپنا تاریخی کردار ادا کریں۔

اجلاس میں متفقہ طور پر منظور شدہ قراردادوں کے ذریعے ڈرگ کالونی سے مندرجہ ذیل مسائل حل کرنیکے لئے زور دیا گیا۔

اکتوبر ۶۸ء

مہاجر فنڈ کے نام سے وصول شدہ رقم کا حساب عوام کو پیش کیا جائے اور اس کی روشنی میں کوارٹروں کی قیمتوں کا تعین کیا جائے۔ جھونپڑیوں میں رہنے والے افراد کو زمین مستقل الاٹ کی جائے۔ کالونی میں ٹیکنیکل کالج کی تعمیر کو سراہتے ہوئے مطالبہ کیا گیا کہ کم از کم ڈگری کالج قائم کیا جائے اور گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کی بسوں میں طلبہ اور طالبات کو کرائے میں نصف رعایت دی جائے۔ اجلاس میں ڈسٹرکٹ کونسل سے مطالبہ کیا گیا کہ بلاک ۵ سے کورنگی تک براہ راست سڑک تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے اور بلاک ۵ میں عوام کیلئے ٹیلیفون بوتھ لگائے جائیں۔ ڈرگ کالونی میں صحت و صفائی کا معقول انتظام نہ ہونے پر تشویش کا اظہار کیا گیا اور اس امر پر زور دیا گیا کہ بلاک ۵ اور بلاک ۳ میں قائم دواخانوں کو پچاس پچاس بستر کے ہسپتالوں میں تبدیل کیا جائے۔

انتخابات کے نتائج حسب ذیل ہیں۔ جو یہ ہے

نواحی بستیوں کے کوارٹروں کی لاگت کی تفصیلات سے عوام کو آگاہ کیا جائے

عوام کی طاقت عوام کا اتحاد ہے

انجمن محبان وطن حلقہ نئی کراچی کے جلسۂ عام کی قراردادیں اور تقاریر

کراچی ۲۲۰ ستمبر (نمائندہ منشور) انجمن محبان وطن حلقہ نئی کراچی نے ۵۰۰ سے زائد رکنیت سازی کے بعد عہدیداروں کے انتخاب کیلئے ۲۲ ستمبر کو بلاک ۱۰۹ کوارٹر ۱۴، ۵ جی ایریا میں جلسۂ عام منعقد کیا اس جلسہ میں، لانڈھی، کورنگی ملیر سعود آباد ڈرگ کالونی، ناظم آباد، منگھو پیر روڈ، قصبہ کالونی اور لیاقت آباد حلقوں کے نمائندوں نے بھی شرکت کی اور اپنے علاقوں میں انجمن محبان وطن کی کارکردگی سے آگاہ کیا۔

یہ جلسۂ عام جناب صلاح الدین کے زیر صدارت منعقد ہوا جس کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے کیا گیا۔ اس جلسۂ عام کے سامنے انجمن محبان وطن حلقہ نئی کراچی کے معتمد عمومی موسیٰ رضا پاشا نے گزشتہ کارکردگی کی رپورٹ پیش کی اور اس کے بعد نئی کراچی اور دوسرے علاقوں کے کارکنوں نے جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے نواحی بستیوں کے مسائل پر روشنی ڈالی اور اس کے ساتھ ہی ان محرکات کا جائزہ بھی پیش کیا جن کی وجہ سے یہ مسائل پیدا ہوئے ہیں اس کے ساتھ ہی اس عہد کو دہرایا گیا کہ ہم متحد اور منظم ہو کر ان مسائل کو حل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔ کیونکہ عوام کی طاقت تو ان کا اتحاد ہی ہوتا ہے۔ مقررین نے کہا کہ عوام کو فرقوں اور گروہوں میں بانٹ کر ہماری طاقت کو منتشر کرنے کی جو سازشیں کی جارہی ہیں انھیں کبھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے اور ہم اس ملک و قوم کی سربلندی کے لئے اپنا قومی فریضہ انجام دیں گے اور ہر جگہ خلوص و محبت، خدمت اور اتحاد کے پرچم کو فضاؤں میں لہراتے رہیں گے۔

اس جلسۂ عام نے تین قراردادیں منظور کیں جن میں:

۱۔ نواحی بستیوں کی لاگت اور مہاجر نٹڈ سے وصول شدہ رقوم کی تفصیلات سے عوام کو آگاہ کرنے اور اس کی روشنی میں کوارٹروں کی قیمت مقرر کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

۲۔ نئی کراچی میں لڑکے اور لڑکیوں کے سرکاری اعلیٰ ثانوی اسکول اور کالج اور ٹیکنیکل اسکول کھولنے کا مطالبہ بھی کیا

۳۔ تیسری قرارداد کے ذریعے مطالبہ کیا گیا کہ نئی کراچی میں پانی کی فراہمی اور گندے پانی کی نکاسی کا مناسب انتظام کیا جائے۔ روشنی اور طبی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ صفائی کا انتظام کیا جائے، طلبہ اور طالبات کے لئے خصوصی بسیں چلانے اور کھیل کود کے میدان اور پارک بنانے کے مطالبات کئے گئے

اس جلسہ میں حلقہ نئی کراچی کے انتخابات بھی ہوئے جس میں۔

مسٹر احمد شاہ صدر۔ مسٹر نجیب سینئر نائب صدر۔ عبدالحلیم جونیئر نائب صدر اور موسیٰ رضا پاشا کو معتمد عمومی۔ محمد مشتاق اور اختر علی کو شریک معتمد محمد نسیم کو خازن، افتخار جلیل کو سکریٹری نشر و اشاعت، محمد اقبال سکریٹری طلبہ خلیل احمد لیبر سکریٹری اور مختار جلیل کو اسپورٹس سکریٹری منتخب کیا گیا۔

مزدور دشمن اقدامات ختم کر کے یونین کے ساتھ

مصالحت کیجائے، مالکان کو یونین کی جانب سے مشورہ

کراچی، ۲۸ ستمبر (نمائندہ منشور) اقبال سلک ملز ورکرز یونین کے جنرل سکریٹری محمد فاروق۔ ممبران مجلس عاملہ۔ محمود میاں اور احمد شاہ کی صنعتی عدالت کے حکم کے نتیجے میں ناجائز برطرفیوں کے بعد ونیز ملز انتظامیہ کے افسران میں معمولی ردوبدل کے بعد مزدوروں کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنا کر انھیں یہ تاثر دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ تمام مزدوروں کو کسی بھی وقت یونین کے ممبر اور سرگرم کارکن ہونے کی بنا پر مذکورہ عہدیداروں کی طرح برطرفیوں کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔

مورخہ ۱۹ ستمبر کو ملز کے ایک ذمہ دار افسر۔ عبدالقیوم ویونگ ماسٹر نے مزدوروں کو کام بند کر کے یونین سے اجتماعی استعفیٰ کا مطالبہ کیا اور مزدوروں کو دھمکی دی کہ دوسری صورت میں یہاں صرف ایک خاص مقام سے تعلق رکھنے والے مزدور بھرتی کئے جائیں گے اور دوسرے تمام لوگوں کو نکال دیا جائے گا۔ مزدوروں کے حق انجمن سازی میں مداخلت اور ان میں صوبہ دارانہ منافرت پھیلانے والے اس اقدام اور دوسرے مسائل کے سلسلے میں یونین کے جنرل سکریٹری نے مینیجنگ ڈائرکٹر ملز کو مورخہ ۲۱ ستمبر کو ایک خط لکھا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یونین اور انتظامیہ کے درمیان مفاہمتی امکانات موجود ہیں۔ لیکن کچھ بااثر افسران ملز انتظامیہ محض اپنے ذاتی مفاد کی خاطر مناسب قابل قبول سمجھوتے کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے ہوئے ہیں۔ تشدد، غنڈہ گردی اور جھوٹے الزامات پر مشتمل چارج شیٹوں کے ذریعے مزدوروں میں انتشار پھیلا کر خوشگوار صنعتی ماحول کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کررہے ہیں۔

جنرل سکریٹری نے ڈائرکٹر صاحب کی توجہ مندرجہ بالا واقعات کی طرف دلاتے ہوئے انھیں مشورہ دیا ہے کہ وہ یونین کے مصالحت پسندانہ رویے کا مناسب جواب دیتے ہوئے یونین کے ساتھ تمام مسائل پر ہونے والی گفتگو کو کامیاب بنا کر دیں تاکہ فریقین کے درمیان سمجھوتے کی راہ نکل سکے۔

مقامی پولیس کا نامناسب رویہ اور انتقامی کارروائیاں

دان بھجراں (میانوالی) ۱۱ ستمبر۔ ضلع کسان کمیٹی کی مجلس عاملہ کا اجلاس دفتر کسان کمیٹی دان بھجراں زیر صدارت ملک محمد عباس منعقد ہوا جس میں کسان لیڈر ملک دوست محمد بھچر کی گرفتاری سے پیدا شدہ صورت حال پر غور کیا گیا۔ اور مقامی پولیس کی غلط رویے پر انہار افسوس کیا گیا آخر میں متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ

۱۔ ملک دوست محمد بھچر کو غیر مشروط طور پر رہا کیا جائے، ان کے خلاف چلائے گئے مقدمات کو فوراً واپس لیا جائے۔ اور ان کے نقصان کا مکمل طور پر ازالہ کر دیا جائے۔

۲۔ اپنے حاصل کردہ اختیارات کو ناجائز طور پر استعمال کرنے والے مقامی پولیس کے عملے کے خلاف فوراً تادیبی کارروائی کی جائے۔

لائل پور کے ریلوے قلیوں کی کامیابی

لائل پور (نمائندہ منشور) لائل پور مزدور کمیٹی کی قیادت میں مقامی ریلوے اسٹیشن کے قلی، دو ماہ کی صبر آزما پیچیدہ اور کٹھن جدوجہد کے بعد اپنے مطالبات منوانے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ یاد رہے کہ مقامی ریلوے ٹھیکیدار صالح محمد نے قلیوں کے ساتھ انتہائی ظالمانہ رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ وہ ان سے ریلوے نمبر کی قیمت دو روپے ماہانہ کے بجائے ۱۶ روپے ماہانہ طلب کرتا تھا، ان سے جبری بیگار لیتا تھا اور ان کو طرح طرح سے تنگ کرتا تھا۔ ان مظالم کے خلاف قلیوں نے اپنی یونین قائم کی۔ جس نے ان دھاندلیوں کا خاتمہ کروانے کیلئے اپنی جدوجہد شروع کر دی۔ اس پر ٹھیکیدار نے ۲۸ جون کو قلی یونین کے تمام عہدیداروں اور ممبران مجلس عاملہ کو ملازمت سے برطرف کر کے، ریلوے حکام کے ذریعہ، ریلوے اسٹیشن کی حدود میں ان کا داخلہ بند کروا دیا تھا۔

اس صورت حال پر غور کرنیکے لئے لائل پور مزدور کمیٹی کا ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں ریلوے حکام سے ملاقات کر کے، قلیوں کے مطالبات منوانے کی کوشش کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ محمد اکرام۔ محمد شفیع خاں، بابا کر امت۔ بابا سلیمان اور فقیر محمد پر مشتمل ایک وفد نے مقامی ڈپٹی کمشنر ڈپٹی ڈائرکٹر لیبر، ممبران صوبائی اسمبلی ریلوے حکام۔ مقامی اخبارات کے ایڈیٹروں اور ریلوے ٹھیکیدار سے ملاقاتیں کر کے، انھیں قلیوں کے مطالبات سے آگاہ کیا۔ نیز مزدور کمیٹی کی طرف سے قلیوں کے مطالبات کی حمایت میں ایک پوسٹر شائع کر کے، صوبے بھر میں تقسیم کیا گیا۔

ریلوے ٹھیکیدار کی ہٹ دھرمی، بعض ریلوے حکام کی جانبداری لیبر ڈیپارٹمنٹ کی بے توجہی اور ضلعی انتظامیہ کی سرد مہری سے تنگ آ کر بالآخر قلیوں نے اپنے مطالبات منوانے کیلئے شہر کے بازاروں میں مظاہرہ کیا۔ یہ مظاہرہ بڑا تاریخی نوعیت کا تھا۔ سرخ وردیوں میں ملبوس، ریلوے اسٹیشن کے سارے قلی نعرے لگاتے اور مکے لہراتے ہوئے شہر کے بازاروں میں سے، جلوس کی صورت میں، بڑے منظم طریقے سے گزرے۔ یہ جلوس مقامی ڈپٹی کمشنر صاحب کے دفتر پر جا کر ختم ہوا۔ جہاں مظاہرین نے ایک یاد داشت پیش کی۔

اگلے روز ریلوے اسٹیشن پر قلی یونین کے زیر اہتمام اور محمد شفیع کی زیر صدارت ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ جس میں شہر کے مختلف صنعتی اداروں کے نمائندوں مزدور تنظیموں کے رہنماؤں کے علاوہ محمد اکرام، غلام نبی کلو، محمد شفیع خاں، بابا کرامت۔ مختار احمد اور فقیر محمد نے خطاب کرتے ہوئے قلیوں کو اپنی بھرپور حمایت کا یقین دلایا۔ دوسرے ہی روز گورنمنٹ ٹرانسپورٹ سروس کے ملازمین نے ایک جلسہ عام منعقد کر کے قلیوں کے مطالبات کی حمایت کی۔ اسی طرح انجمن عملہ صفائی۔ انجمن ملازمین درجہ چہارم لوکل باڈیز اور عملہ مانگیاں نے الگ الگ اجلاس کر کے قلیوں کی منصفانہ جدوجہد کی حمایت کی۔ ان اجلاسوں میں مزدور کمیٹی کی طرف سے محمد اکرام، فقیر محمد۔ مختار احمد۔ بابا کرامت اور محمد شفیع خاں کے علاوہ قلی یونین کے صدر محمد شفیع نے بھی خطاب کیا۔

اس کے باوجود بھی ریلوے ٹھیکیدار اور ریلوے حکام کے رویے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو بالآخر ۱۱ ستمبر کو مزدور کمیٹی کے ایک نمائندہ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ریلوے قلی ۱۸ ستمبر سے اپنے مطالبات منوانے کیلئے بھوک ہڑتال کریں۔ نیز اس اجلاس میں، بھوک ہڑتال سے پیدا ہونے والی صورت حال سے نپٹنے کے ڈاکٹروں اور وکلا پر مشتمل میڈیکل بورڈ اور لیگل کمیٹی کی تشکیل بھی کی گئی اس کے علاوہ ایک ہینڈ بل کے ذریعے عام شہریوں سے اپیل کی گئی کہ وہ قلیوں کے ان مطالبات کی حمایت میں اپنی آواز بلند کریں۔ چنانچہ حسب فیصلہ ۱۸ ستمبر کو رات سات بجے دو درجن ریلوے قلی، بابا سلیمان اور عبدالرشید نے ریلوے اسٹیشن کے احاطے میں بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ اگلے روز ہزاروں مزدور طالب علم اور شہری، جن میں بچے اور عورتیں بھی شامل تھیں، دن بھر بھوک ہڑتالیوں کو دیکھنے، انھیں ہار پہنانے اور ان کے مطالبات سے ہمدردی ظاہر کرنیکے لئے آتے رہے۔ ۱۹ ستمبر کو شام ۶ بجے ریلوے اسٹیشن پر بھوک ہڑتالیوں کی حمایت میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں شہر کی ۱۵ مزدور تنظیموں، سیاسی جماعتوں اور سماجی انجمنوں کے نمائندوں نے خطاب کیا۔ نیز ان نمائندوں پر مشتمل ایک شہری کمیٹی بھی تشکیل دی گئی۔ ۱۹ ستمبر کی رات کو دو اور قلی بھوک ہڑتال میں شریک ہو گئے۔ ۲۰ ستمبر کو شام ۶ بجے ریلوے اسٹیشن پر بھوک ہڑتالیوں کی حمایت میں ایک اور جلسہ منعقد ہوا۔ جس سے خطاب کرتے ہوئے مزدور کمیٹی کے محمد اکرام ایڈووکیٹ نے کہا کہ ہم صرف آج کی رات انتظار کریں گے اور اگر اس میں، قلیوں کے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے، تو کل صبح سے ہماری جدوجہد کا نقشہ بدل جائے گا۔ اسی جلسہ عام میں انجمن عملہ صفائی، انجمن عملہ مانگیاں تانگہ یونین اور رکشہ یونین کے نمائندوں نے اعلان کیا کہ اگر کل صبح تک قلیوں کے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے، تو وہ کل صبح سے شہر میں عام ہڑتال شروع کر دیں گے۔

اس جلسہ عام کے ختم ہوتے ہی ریلوے ٹھیکیدار صالح محمد اور ریلوے حکام نے قلیوں کے مطالبات پر بات چیت شروع کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی، چنانچہ ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر، ڈپٹی ڈائرکٹر لیبر، ریلوے ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ، ڈی ایس، پی۔ سٹی اور ڈی ایس پی ریلوے کی موجودگی میں، ٹھیکیدار اور قلیوں کے نمائندوں میں بات چیت شروع ہوئی۔ جس میں قلی یونین کے صدر محمد شفیع کے علاوہ محمد اکرام، کالا خاں۔ محمد اکبر اور محمد شفیع خان نے حصہ لیا۔ بالآخر ۵ گھنٹے کی طویل گفتگو کے بعد ٹھیکیدار نے قلی یونین کے تمام برطرف شدہ عہدہ داروں کو غیر مشروط بحال کرنے، ریلوے نمبر کی قیمت ۱۶ روپے ماہانہ کے بجائے دو روپے ماہانہ وصول کرنے اور جبری بیگار بند کرنے کے مطالبات تسلیم کر لئے اور سمجھوتے پر دستخط کر دئے قلیوں کی طرف سے مزدور کمیٹی کے محمد اکرام نے اس سمجھوتے پر دستخط کئے۔

سمجھوتے پر دستخط ہونے کے بعد رات ۱۲½ بجے بھوک ہڑتالیوں نے مزدور اتحاد زندہ باد۔ قلی یونین زندہ باد۔ لائل پور مزدور کمیٹی زندہ باد کے نعروں کے درمیان اپنی بھوک ہڑتال ختم کر دی۔

ڈاٹا پروسیسنگ سینٹر کے ساتھیوں کا مطالبہ تسلیم کرلیا گیا

مزدور مرکزی کمیٹی کو تین ہزار روپے کا عطیہ

کراچی (نمائندہ منشور) پی آئی اے کے ایک سیکشن ڈاٹا پروسیسنگ سینٹر کے ساتھیوں کی طرف سے ہوٹل ڈی فرانس میں ایک عشائیہ ترتیب دیا گیا تھا۔ یہ عشائیہ ان کی اس کامیابی پر اظہار مسرت کی علامت تھا جو انہوں نے حال ہی میں اپنا مطالبہ پورا کروانے حاصل کی ہے اور جس کے تحت اس سیکشن کے ساتھیوں کی تنخواہوں پر نظر ثانی کرکے ان میں ۲۵ فیصدی کے قریب اضافہ کیا گیا ہے۔ اس عشائیہ میں ڈی پی سی کے ساتھیوں کے علاوہ ایئرویز ایمپلائز یونین پی آئی اے برانچ کے صدر جناب طفیل عباس اور دوسرے عہدیداران ڈی پی سی کے انچارج اور وائس پریسیڈنٹ کمرشیل نے بھی شرکت کی۔ ڈی پی سی کے چیف شاپ اسٹیوارڈ مشتاق لاکھانی صاحب نے اس کامیابی کا پس منظر بڑی تفصیل سے پیش کیا اور بتایا کہ اس سیکشن میں کام کرنیوالے ساتھیوں کے بھرپور اتحاد اور طبقاتی شعور ہی کی بنیاد پر یہ ممکن ہوسکا کہ انتظامیہ کو ان کا یہ مطالبہ تسلیم کرنا پڑا انہوں نے اس موقعہ پر ڈی پی سی کے ساتھیوں کی طرف سے کراچی اور سارے ملک کی مزدور تحریک میں عملی حصہ لینے کی پیشکش کا اعلان کرتے ہوئے کراچی مزدور مرکزی کمیٹی کے صدر جناب طفیل عباس کو تین ہزار روپے کا چیک پیش کیا۔

آخر میں ایئرویز ایمپلائز یونین اور کراچی مزدور مرکزی کے صدر طفیل عباس صاحب نے ڈی پی سی کے جیالے ساتھیوں کے اتحاد، تنظیم، اور طبقاتی شعور کو سراہتے ہوئے ان کی کامیابی پر مبارکباد پیش کی اور ان کی طرف سے مزدور تحریک کے مقدس مقاصد کے لئے تین ہزار روپے کے عطیہ کے لئے شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے کہا کہ پی آئی اے کے دوسرے سیکشنوں بلکہ سارے پاکستان کے محنت کشوں کے لئے ڈی پی سی کے مزدوروں کا یہ جذبہ قابل تقلید ہے اور مجھے امید ہے کہ ہمارے دوسرے ساتھی اسی طرح ملک کے دوسرے مزدوروں کو سہارا دینے کیلئے آگے بڑھیں گے۔

جنرل سکریٹری کے خلاف قرارداد عدم اعتماد

کراچی، ۱۳ ستمبر (نمائندہ منشور) گیس اینڈ الیکٹرک اپلیانسز ورکرز یونین کے جلسہ عام منعقدہ ۱۳ ستمبر میں یونین کے سابق جنرل سکریٹری مسعود الحق کے خلاف قرارداد عدم اعتماد کے منظور کرلئے جانے کے بعد ان کی برخواستگی کی وجہ سے خالی ہونے والی جگہ پر اور دوسرے عہدیداروں کے مستعفی ہونے کی وجہ سے خالی جگہوں پر مندرجہ ذیل افراد کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ صدر۔ فہیم الدین۔ نائب صدر رحیم الدین۔ جنرل سکریٹری محمد حنیف، پروپیگنڈہ سکریٹری عبدالرزاق۔ خزانچی محمد یونس، جمیل احمد۔ اسمٰعیل خان۔ محمد اعظم ممبران مجلس عاملہ۔

واضح ہو کہ مسعود الحق نے مزدوروں کی مرضی۔ منشا۔ اور خواہش کے خلاف اور انھیں مطلع کئے بغیر صنعتی عدالت میں چلنے والے صنعتی تنازعہ کو معمولی سی برائے نام بخشش کے نام پر واپس لے لیا اور اس کارروائی کو باقاعدہ ایوارڈ کروالیا۔ جس میں پانچ سال تک کوئی مالی مطالبہ نہ اٹھانے کی تحریری ضمانت مالکان کو دی گئی ہے۔

ایسٹرن فارماٹیکل لیبارٹریز ایمپلائز یونین کا قیام

کراچی ۲۱ ستمبر (نمائندہ منشور) کراچی کی ایک دواساز فیکٹری ایسٹرن فارماٹیکل لیبارٹریز لمیٹڈ کے مزدوروں نے ۲۱ ستمبر کے جلسہ عام میں اپنی یونین بنام ایسٹرن فارماٹیکل لیبارٹریز ایمپلائز یونین تشکیل دی ہے، جس کے لئے مندرجہ ذیل عہدیداران و ممبران مجلس عاملہ کا انتخاب کیا گیا۔

صدر۔ فدا علی صدیقی۔ نائب صدر۔ محبوب عالم۔ نائب صدر افتخار احمد جنرل سکریٹری۔ عزیز الدین۔ جوائنٹ سکریٹری۔ محمد شاہد۔ جوائنٹ سکریٹری محمد یٰسین۔ خزانچی اظہر علی۔ پروپیگنڈا سکریٹری ضمیر احمد قریشی محمد عدیل۔ محمد اشرف۔ ریاض حسین۔ ناصر احمد۔ علی عباس۔ محمد اکرم غیاث محمد۔ اس کے علاوہ فوری نوعیت کے مطالبات کے حصول کے لئے قانون کے مطابق مندرجہ ذیل پانچ نمائندوں کے انتخاب کے ذریعے پندرہ مطالبات پر مشتمل ہڑتال نوٹس جاری کر دیا گیا ہے۔ عزیز الدین۔ محمد یٰسین۔ محمد شاہد اظہر علی۔ افتخار احمد۔ اس نوٹس کی کاپیاں اور یونین کے رجسٹریشن کی درخواست محکمۂ محنت میں جمع کرا دی گئی ہیں۔ نوٹس میں اٹھائے ہوئے مطالبات میں بونس۔ چھٹیاں، وردیوں کی فراہمی ڈبل اوور ٹائم۔ طبی سہولتیں۔ حاضری الاؤنس۔ بس الاؤنس۔ پراویڈنٹ فنڈ اور گریجویٹی اسکیم کے نفاذ کے طریقہ کار کے نفاذ کے مطالبات بھی شامل ہیں۔

A-One

جدید ڈرائی کلینگ کے انڈسٹری میں ایک نیا اضافہ

اے ون

ڈائیرز اینڈ ڈرائی کلینرز

ریشمی اور اونی ملبوسات کی ڈرائی کلینگ کا بہترین انتظام

اب ناظم آباد کو اپنے ملبوسات کی ڈرائی کلینگ کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں آپ کے قیمتی ملبوسات آپ ہی کے علاقے میں ڈرائی کلین کئے جاتے ہیں

پی آئی اے اسٹاف کیلئے ۲۵ فیصد کی خاص رعایت

اپنا مفت کارڈ دکھا کر کپڑوں کی بکنگ کرائیے

اور

اس خصوصی رعایت سے فائدہ اٹھائیں

اے ون

ڈائیرز اینڈ ڈرائی کلینرز

انارکلی مارکیٹ۔ پاپوش نگر

ناظم آباد۔ کراچی

بزمِ منشور

فارم رکنیت

نام ---------- ولدیت ----------

پیشہ ---------- تعلیم ----------

عمر ---------- مشاغل ----------

گھر کا پتہ ----------

دفتری یا کاروباری پتہ ----------

جس جگہ ملازم ہیں کیا وہاں کوئی یونین ہے؟ ----------

اگر یونین ہے تو یونین کا نام ----------

اگر یونین ہے تو کیا آپ یونین کے رکن ہیں؟ ----------

کیا آپ یونین کے کسی عہدے پر فائز ہیں اور اگر ہیں تو کس عہدے پر فائز ہیں؟

جناب مدیر "منشور"!

میں ادارۂ "منشور" کی تجویز کے مطابق ماہ اپریل ۱۹۶۷ء کے اداریہ کے مندرجات اور "منشور" کی پالیسی سے کلی اتفاق رکھتے ہوئے "بزمِ منشور" کی رکنیت کا خواستگار ہوں، اور آپ کو یقین دلاتا ہوں / دلاتی ہوں کہ منشور کی ترقی و بقا نیز "منشور" کے مقاصد کی ترویج و فروغ کیلئے پوری پوری کوشش کروں گا / گی!

مورخہ ---------- دستخط ----------

ہم منزل مقصود کی طرف گامزن ہیں

آخر منشور، نہ صرف وطن عزیز بلکہ ملک کے باہر بھی اتنا مشہور کیوں ہو گیا ہے؟ یہ بڑا بنیادی سوال ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ تمام رسالوں میں یہ سب سے زیادہ ترقی پسند اور قومی آزادی، معاشرتی اصلاح اور محنت کش انسانوں کی فلاح و بہبود کیلئے سب سے اچھا اور بیباک ترین رسالہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر کہ و مہ اسے پڑھنے کا مشتاق ہوتا ہے۔

یہ رسالہ ترقی پسند ہے، کیونکہ اس کے عملے کے اراکین، سرپرست اور قارئین کے ساتھ ہی ساتھ اس کا مواد بھی ترقی پسند ہے یہ محب وطن اور قوم پرست رجحانات کا نقیب ہے، ظاہر ہے کہ ان خصوصیات کے بغیر ملک کے اندر اور باہر یہ رسالہ، عوام کی ہمدردیاں ہرگز بھی نہ جیت سکتا تھا۔

کچھ سے لوگ، منشور کو برا بھلا کہتے ہیں، یہ دراصل طرح اس امر کا مزید اظہار ہو جاتا ہے کہ یہ رسالہ سب سے زیادہ ورنہ ترقی، قوم، وطن اور جمہور کے دشمن اس پر حملے نہ کرتے، بین ثبوت ہیں اور یقیناً اس کی شان و شوکت میں اضافہ کرتے بڑی تعداد اس کی حمایت اور تعریف کرتی ہے بلکہ اس لئے اس پر بے بنیاد حملے کرتے اور بہتان باندھتے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ بڑی خراب بات ہو گی کہ دشمن ہم پر کہ ہم دشمن کی سطح تک گر چکے ہیں، یہ اچھا ہے کہ دشمن ہم پر ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہم نے اپنے اور دشمن کے درمیان اور مقصد میں بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی ہے۔

پچھلے تین سالوں میں، منشور نے ہزاروں ہونہار، کو نکھارا ہے، مزدور اور کسان طبقہ، نئی نسل کے اہل قلم آئندہ بھی یہ ملک قوم اور معاشرہ کی ترقی، استحکام دیتا رہے گا کیونکہ یہ جرأتمندی اور جراءت کے ساتھ منشور کا تذکرہ کرتے ہوئے، عام لوگ کرتے ہیں۔ دراصل منشور اور دوسرے ترقی پسند دونوں ہی پہلو پائے جاتے ہیں۔ یکسانیت کا پہلو یہ ہے کہ متعلقہ رسالوں کی پالیسی اور انداز فکر ترقی پسندانہ تھا اور اختلاف کا یہ پہلو ہے کہ منشور، دوسرے متعلقہ رسالوں کے مقابلے میں زیادہ سستا، زیادہ بیباک، زیادہ کثیر الاشاعت، زیادہ اصول پرست اور ملک کی عام مزدور تحریک سے براہ راست اور عملی طور پر منسلک ہے۔ منشور نے، مزدور تحریک کی جو نظریاتی اور تنظیمی خدمات انجام دی ہیں وہ بھی اپنی جگہ خاص مقام رکھتی ہیں۔ یہ ہی وجوہات ہیں کہ منشور، دوسرے متعلقہ رسالوں کے مقابلے میں زیادہ ترقی پسند ہے اور مستقبل میں یہ اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے نسبتاً زیادہ خدمت بجا لائے گا۔

منشور کی عام حکمت عملی، ایک مضبوط اور صحیح سوچ کی الوائی، ایک موثر اور سادہ طرز عمل اور پختہ کار لیکن اصولی تدابیر اختیار کرنا ہے، ایک سامراج دشمن، مزدور دوست اور محب وطن رسالہ بنانے کیلئے یہ ہی تین لوازمات ہیں، انھیں لوازمات کے عین مطابق ہم اور آپ لکھتے اور پڑھتے ہیں

پچھلے تین سالوں میں رسالہ کی ترقی، وسعت اور استحکام میں خاص خامیاں بھی شریک حال رہی ہیں۔ یہ آگے مزید بڑھ سکتا ہے، لیکن مشکلات بھی ابھر کر آئی ہیں، خاص مشکل تو سرمایہ محنت کرنے والے عام انسانوں کی زندگی سے متعلق مطلوبہ مواد، طباعت و اشاعت کی سستی سہولتوں کا فقدان ہے۔ لیکن ایڈورٹیزمنٹ ایجنسیاں، پی آئی اے، ایئر لائنز، پی آئی اے کے بارسوخ اور منظم مزدوروں کی سرپرستی میں منشور کسی قسم کی مشکلات سے نہیں ڈرتا۔ اور وہ یقیناً ان مشکلات پر قابو پالے گا، مشکلات، ان باتوں کی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ ہم ان پر غلبہ پالیں گے۔

لیکن ہمارا یہ دعویٰ، ہمارا یہ اعتماد، صرف اور صرف آپ کے بل بوتے پر ہے، جب تک ہمارا اور آپ کا رشتہ سلامت ہے، منشور بھی سربلند اور منزل کی طرف گامزن ہے، آپ کی عنایتوں اور فاقتوں نے ہر طرح سے ہماری ہمت بڑھائی ہے، مگر آج منشور جس دوراہے میں داخل ہوا ہے، وہ ہم سب سے، ہر قسم کی چوکسی اور مستعدی کا طلب گار ہے۔ ہمیں اپنے اور آپ کے باہمی رشتے کو نہ صرف قابل رشک بلکہ اتنا پائیدار اور اتنا پختہ کار بنانا پڑے گا کہ یہ دشمن کیلئے دو دھاری تلوار کا کام دے۔ منشور کی حفاظت اور بقا کیلئے ہم سب کو ایک ایسی تنظیم کی ضرورت ہے کہ جہاں ہم نہ ہوں وہاں، آپ ہمارے بغیر ہی بذات خود، حالات کا مقابلہ کر لیں۔ دشمن پہلے ابتدائی داروں میں زک اٹھانے کے بعد، بلبلایا ہوا ہے، وہ سانپ کی طرح بل کھا رہا ہے، اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ، اپنا زہریلا پھن اٹھائے، ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم کیل کانٹے سے لیس ہو جائیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہم فتح مند اور کامران ہیں۔ لیکن ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ ایک جانثار سپاہی کے گھوڑے کے نعل میں صرف معمولی سی کیل کے نہ ہونے سے بعض اوقات، جیتی ہوئی بازی مات بن جاتی ہے۔ ایک ایسے وقت میں کہ دشمن، بجاری بھر کم باقی کے ڈیل ڈول کو نظروں سے دانستہ طور پر اوجھل کرے، دم پکڑنے کے اصول پر عمل کر رہا ہو اور اگر دم بھی ہاتھوں میں دے آئے تو ہلکے کے چھپتے، گوئیلز کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جھوٹ بول بول کر، الاتعاق اور بے خبر افراد کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی تاک میں ہو، ہمارا، آپ کا اور سب کا یہ اولین فرض ہے کہ ہم اپنی صفیں نئے سرے سے درست کر لیں، اور مزدور طبقے کے فولادی عزم و ہمت کے ساتھ، دشمن کا پھن کچل ڈالیں۔

ادارہ منشور، کے اراکین کی یہ تجویز ہے کہ اس فرض کو ادا کرنے کیلئے "بزم منشور" قائم کی جائے اور اس بزم کی رکنیت صرف اور صرف وہ افراد اختیار کریں، جو منشور کو پڑھنے کے علاوہ، اس کی حفاظت، اس کی ترقی، اس کی اشاعت اور اس کے مقاصد کی ترویج کیلئے، وہ سب کچھ کرنے کیلئے ہر دم اور ہر گھڑی تیار و آمادہ رہیں جس کا، وقت، تقاضا اور مطالبہ کرے۔

"بزم منشور" کا تنظیمی دائرہ، پاکستان گیر بنیادوں پر ہو گا۔ رکنیت کے فارموں کی، ایک قابل ذکر اور واضح تعداد میں وصولیابی کے بعد، متعلقہ علاقے کی بزم کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ منشور دوستو، محنت کش رفیقو، اس نئی سمت میں ہمیں اپنی کوششیں آج سے ہی مشروط کر دینی چاہئیں۔

سردست، ہمارے لئے خوشی و اعزاز کی بات یہ ہے کہ ہمارے دشمنوں کے ہاتھ میں منشور نظر آنے لگا ہے، اور اب "بزم منشور" کی رکنیت اختیار کرکے اس وقت کو بھی قریب لے آئیے کہ جب منشور کے صفحات، منشور دشمنوں کیلئے شعلے اور انگارے بن جائیں اور وہ منشور کو ہاتھ لگاتے ہوئے لرزنے اور کپکپانے لگیں۔

اداریہ

اپریل ۶۷ء

اکتوبر ۶۸ء

With Compliments

from

S. J. Engineering Company

(Engineers, Indentors and Contractors)

Dealers and Suppliers of :-

ELECTRIC MOTORS, SWITCH GEARS, CONTROL GEARS,
ENGINES, PUMPING SETS, GENERATING SETS,
WORKSHOP AND GARRAGE EQUIPMENT.

1, Loonat Building, Nicol/Frere Road Corner,
KARACHI-2 (West Pakistan)
P. O. Box No. 5167

Grams : SEJCO

P

HE MONTHLY MANSHOOR KARACHI

پی آئی اے

کی پروازیں

بنکاک

استنبول

فرینکفرٹ

بیروت

بغداد

روم

جاتی ہیں

ان کے علاوہ پی آئی اے کی پروازیں :۔ لندن ۔ جیدہ ۔ قاہرہ ۔ بیروت ۔ ماسکو ۔ تہران ۔ کویت ۔ جدہ ۔ دھران ۔ دوحا ۔ دوبئی ۔ بحرین ۔ کابل ۔ کراچی ۔ ڈھاکہ ۔ کھٹمنڈو ۔ رنگون ۔ کینٹن ۔ شنگھائی ۔ کو بھی جاتی ہے ۔

مزید تفصیلات کیلئے اپنے ٹریول ایجنٹ یا کسی پی آئی اے آفس سے رجوع فرمائیں ۔

PIA پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز